



# پدعات رجب شعبان

تالیف :

الشیخ محمد منیر قمر حبیب اللہ  
صاحب حفظہ



مکتبہ کتاب و سنت

www.ircpk.com





FAKIR



ہدایات

# رجب و شعبان

تالیف و پیشکش

الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترجمان ہیریم کورٹ الضمیر سعودی عرب

ترتیب و تدوین

آنسہ نبیلہ قمر صاحبہ

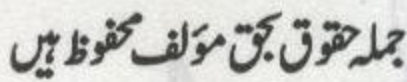
مکتبہ کتاب و سنت

ریحان چیمہ، تحصیل ڈسکہ، سیالکوٹ (پاکستان)

ناشر

موبائل: 0300-6439897





نام کتاب: \_\_\_\_\_ بدعات رجب و شعبان

تالیف و پیشکش: \_\_\_\_\_ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترتیب و تدوین \_\_\_\_\_ آنسہ نبیلہ قمر صاحبہ

طبع اول ≡ اگست 2004

بہتمام === غلام مصطفیٰ فاروق

پاکستان میں ملنے کے پتے

لاہور

مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ 7237184

**اسلامی اکیڈمی 17 اردو بازار 7357587**

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار 7351524

دارالسلام سیکرٹریٹ شاہ 7240024

مکتبہ نور اسلام 7352847

**کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار 7320318**

مکتبہ اصحاب الحدیث اردو بازار 7321823

## تنظيم الدعوة الى القرآن والسنة، كوالمنذرى

دارالعلم 699 آبیارہ مارکیٹ

## شمس الہدی کیسٹ ہاؤس وڈالہ روڈ

**فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ 541809**

الفرقان اسلامک بک سنٹر بانو بازار ☆ گلزار بک ڈپو اردو بازار

مدینه کتاب گھر اردو بازار 219791 ❀ والی کتاب گھر اردو بازار

دارالسلام، چوک نیاں 741613

مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ کورٹ روڈ ☆ مکتبہ ایوبیہ محمدی مسجد، محمد بن قاسم روڈ

☆ **توحید یبلی کیشنز** ایس۔ آر۔ کے گارڈن، بنگلور، 6650618

☆ چار مینار بینک سنٹر چار مینار روڈ شیواجی نگر بنگلور 560051 میسور 492129

**Contact: E-Mail: [tawheed\\_pbs@hotmail.com](mailto:tawheed_pbs@hotmail.com)**

## ہندوستان میں

ملنے کے پتے



# فہرست مضامین

22	✽ دیگر مورخین	5	عرض مؤلف
23	اشیخ علی محفوظ	7	<b>بدعات ماہِ رجب</b>
24	✽ ماہِ رجب کے کوئڈے وغیرہ	7	✽ بدعت کا اجمالی سا تعارف
24	✽ بی بی کی صحنک اور رجبی وغیرہ	9	✽ ماہِ رجب کے روزے
25	✽ رجب کے کوئڈے اور	10	✽ صلوة الرغائب
25	ایک افسانہ	11	صلوة الرغائب اور علامہ عراقی
28	اس افسانے کے من گھڑت	11	صلوة الرغائب اور ابن تیمیہ
28	ہونے کے بعض دلائل	11	صلوة الرغائب اور فقہاء احناف
28	اولاً	12	صلوة الرغائب اور ابن الجزری
28	ثانیاً	13	صلوة الرغائب اور امام نووی
29	ثالثاً	13	صلوة الرغائب اور امام طرطوشی
29	اصل حقیقت	14	✽ ماہِ وشپ معراج کی عدم تعیین
30	انوارِ قرآن و حدیث	16	✽ جشن معراج کی شرعی حیثیت
36	✽ بائیس رجب کے کوئڈے اور	17	جشن معراج پر ابن باز کا تبصرہ
36	احمد رضا خان کا فتویٰ	18	آتش بازی و چراغاں اور جانی و
37	<b>بدعات ماہِ شعبان</b>	18	مالی نقصانات
37	✽ ماہِ شعبان اور آتش بازی وغیرہ	20	چراغاں کرنے کا آغاز و اسباب
37	✽ ماہِ شعبان کے روزے	20	مسلمانوں کے خلاف ایک
39	✽ ماہِ شعبان کے بکثرت روزے	20	گہری سازش
39	رکھنے کی وجہ	20	✽ تاریخ چراغاں اور علامہ ابو شامہ
42	✽ نصفِ ثانی شعبان کے روزے	21	امام ابن العربی



63	پانچواں طریقہ: نصف شعبان کا روزہ
64	من گھڑت روایت
65	پہلی روایت
67	دوسری روایت
67	چھٹا طریقہ: نصف شعبان کی رات کو قیام
68	نصف شعبان کی رات والی مخصوص نمازیں!
70	(صلوۃ الخیر یا صلوۃ الالفیہ) وجہ تسمیہ: الصلوۃ الالفیہ
74	✽ احادیث نصف شعبان (شب براءت)
74	پہلی حدیث
75	دوسری حدیث
75	تیسری حدیث
75	چوتھی حدیث
75	پانچویں حدیث
76	چھٹی حدیث
76	ساتویں حدیث
77	آٹھویں حدیث
78	نویں حدیث
78	دسویں حدیث

44	✽ شعبان کے آخری ایک دو دنوں کا روزہ
44	✽ شب قدر، شب براءت یا شب نصف شعبان
46	✽ تفسیر لیلۃ مبارکہ
46	تفسیر خازن
47	تفسیر جامع البیان
47	تفسیر جلالین
48	تفسیر فتح القدیر
49	ترجمان القرآن ابن عباسؓ
49	التفسیر الکبیر للرازی
49	تفسیر ابن کثیر
50	احکام القرآن
51	✽ شب براءت منانے کے چھ طریقے
52	پہلا طریقہ: حلوے مانڈے پکانا کھانا
54	دوسرا طریقہ: چراغاں و آتش بازی کرنا، دین کو کھیل تماشا بنانا
58	تیسرا طریقہ: گھروں کی صفائی اور فوت شدگان کی روحوں کی آمد کا نظریہ
61	چوتھا طریقہ: اجتماعی شکل میں زیارت قبور



## عرض مؤلف

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ  
مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا  
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
أَمَّا بَعْدُ :

قارئین کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کی توفیق و عنایت سے ماہ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ بمطابق فروری ۲۰۰۲ء کے آغاز  
سے سعودی ریڈیو مکہ مکرمہ کی اردو سروس سے ہفت روزہ پروگرام ”اسلام اور ہماری  
زندگی“ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہے۔

ماہ محرم ۱۴۲۳ھ کے دوران جو چار پروگرام نشر ہوئے، وہ ”سال نو کے  
پیغامات، آغاز کا صحیح طریقہ۔ اور تذکرہ چند بدعات کا“ کے زیر عنوان کتابی شکل میں  
طباعت بالکل تیار ہیں، جبکہ ماہ ربیع الاول کے چار پروگرام ”صحیح تاریخ ولادت  
مصطفیٰ ﷺ۔ جشن میلاد، یوم وفات پر“ کے نام سے کتابی صورت میں شائع  
ہو چکے ہیں، جمادی الاولیٰ میں نشر شدہ پروگرام بنام ”قبولیت عمل کی  
شرائط (مختصر)“ بھی کمپوزنگ اور طباعت کے مراحل میں ہے۔ اسی طرح جمادی  
الثانیہ میں نشر شدہ چار قسطوں اور شوال میں نشر ہونے والی چار قسطوں کو بھی ”تعویذ

گندوں اور جتات و جادو کا علاج“ کے عنوان سے **مکتبہ کتاب و سنت**  
کے زیر اہتمام شائع ہو چکے ہیں۔ اور ماہ رجب وشعبان کے لیے ریکارڈ کروائے گئے  
آٹھ پروگراموں کو ”**بدعات رجب و شعبان**“ کے نام سے اپنے قارئین  
کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔



اس کی طباعت اور نشر و اشاعت میں جن جن احباب نے جس جس رنگ میں بھی تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ انھیں جزاء خیر دے۔ آمین

اس رسالے کی ترتیب و تدوین اور کمپوزنگ پر ہم اپنی لختِ جگر آنسہ نبیلہ قمر کے بھی شکر گزار ہیں اور اس کے لیے توفیق مزید کے لیے اللہ سے دعاء گو ہیں۔

تَقَبَّلَ اللَّهُ مِنِّي وَمِنْهَا وَوَفَّقَنَا لِمَا فِيهِ خَيْرُ الْإِسْلَامِ وَ  
الْمُسْلِمِينَ .

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے اور ہمارے تمام احباب کے لیے ثواب دارین کا ذریعہ اور تمام قارئین کے لیے باعثِ استفادہ و ہدایت بنائے۔ آمین

ابو حسان محمد منیر قمر نواب الدین

الضبر - المحكمة الكبرى

ترجمان سبریم کورٹ الضبر

۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

و داعیہ متعاون : مراکز دعوت و ارتاد

۲۲ / جون ۲۰۰۴ء

الضبر : الظهران : الدمام

( سعودی عرب )



## بدعاتِ ماہِ رجب

### بدعت کا اجمالی سا تعارف

نیکی اور ثواب نام ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات کی تعمیل کا، اور اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، اگر اللہ و رسول ﷺ کی مہر تصدیق والا ہے تو فیہما، ورنہ دین و شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور کوئی بھی عمل بظاہر چاہے کتنا ہی اچھا اور موجب اجر و ثواب محسوس ہو رہا ہو، لیکن وہ اللہ کے ہاں مقبول بھی ہے جب اُسے اللہ اور اس کے نبی ﷺ پسند فرمائیں۔ جبکہ یہ ایک معروف بات ہے کہ اللہ و رسول ﷺ اُسی عمل کو پسند فرماتے ہیں جس کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہو، یا اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا حکم دیا یا اس کی ترغیب دلائی ہو۔

لیکن ایک کام ایسا ہے کہ اس کا موقع بھی نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آیا ہو، کوئی خاص مجبوری اور امرِ مانع بھی نہ ہو، تب بھی نہ تو آپ ﷺ نے خود اُسے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُس کے کرنے کا حکم یا اشارہ فرمایا، اور نہ ہی قرونِ خیر میں سے کسی نے اس پر عمل کیا ہو، تو پھر ایسے کام میں خیر و بھلائی اور اجر و ثواب کی توقع رکھنا بالکل عبث و بے کار بات ہے۔

مثال کے طور پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا باعثِ سعادت و برکت اور کارِ اجر و ثواب ہے، ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، جیسا کہ ترمذی شریف اور سنن دارمی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(( مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ حَسَنَةٌ وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ أَلَمْ حَرْفٌ وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلاَمٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ )) (۱)

(۱) صحیح الترمذی: ۲۳۲۷، سنن دارمی ۲/۲۴۹، ریاض الصالحین ص: ۴۱۶



”جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا، اسے نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ آلم ایک حرف ہے، بلکہ الف حرف ہے، لام حرف ہے اور میم حرف ہے“۔

اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ تلاوت قرآن کا ثواب تو ہے ہی، اور اللہ تعالیٰ کے بندے اُس سے قریب تر اُس وقت ہوتے ہیں جبکہ وہ سجدہ کی حالت میں ہو جیسا کہ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد اور بیہقی میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ  
فَاكْثِرُوا الدُّعَاءَ)) . (۲)

”بندہ اپنے رب کے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہذا اس حالت میں بکثرت دعاء کیا کرو“۔

اب اگر کوئی شخص قرب الہی کے اس مقام پر قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دے تو آپ ہی بتائیں کہ اس کا ایسا کرنا صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اس حالت میں نہ خود نبی ﷺ نے تلاوت فرمائی ہے اور نہ ہی اللہ اور رسول ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، بلکہ الٹا اس طرح سجدہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((أَلَا إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا)) . (۳)  
”خبردار! مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے“

اس مثال کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں تو پھر سارا مسئلہ بآسانی حل ہو جاتا

(۲) مختصر مسلم: ۲۹۸، صحیح ابی داؤد: ۷۷۸، صحیح النسائی: ۱۰۸۹، مشکوٰۃ

بتحقیق الالبانی ۲۸۱/۱، صحیح الجامع الصغیر ۳۸۰/۱

(۳) مسلم مع النووی ۱۹۶/۲، مشکوٰۃ ۲۷۹/۱



ہے، کیونکہ بالکل یہی حال اُن تمام دینی ایجادات و اختراعات یا بدعات کا ہے جنہیں کسی نے خود اپنی مرضی سے اور اپنی ہی طرف سے دین میں داخل کر کے اُن پر عمل شروع کر دیا ہو۔

### ماہِ رجب کے روزے:

ان اصولی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ذرا اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو آپ کو سینکڑوں ایسے اعمال نظر آجائیں گے جنہیں اسلام کے نام لیواؤں نے دین کا حصہ بنا رکھا ہے، حالانکہ کتاب و سنت، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم اور علمائے امت سے ان کا ثبوت نہیں ملتا، آپ دور نہ جائیں، ماہِ رجب میں سرانجام دیئے جانے والے بعض امور پر ہی غور کر لیں اور ان کی سند کا پتہ چلائیں تو بات صاف ہو جائے گی، مثلاً:

بعض لوگوں نے اس مہینے میں کئی روزے ایجاد کر رکھے ہیں، کسی کو ”معراج شریف“ کا روزہ کہا جاتا ہے، کسی کو ”مریم روزہ“ کا نام دیتے ہیں، کسی کو ”ہزاری روزہ“ اور کسی کو ”لکھی روزہ“ کہتے ہیں، حالانکہ یہ روزے نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھے اور نہ ہی ان کا حکم فرمایا، یا ترغیب دلائی، بلکہ اس کے برعکس ایک ضعیف سند والی روایت میں ہے:

(نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صِيَامِ رَجَبِ) (۴)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اس روایت کی سند تو ضعیف ہے، لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک صحیح روایت ہے جس سے مذکورہ حدیث کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے، اُس میں منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اگر ماہِ رجب میں لوگوں کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھتے تو ان کے سامنے کھانے کا برتن رکھ کر اُن کے ہاتھوں پر اپنے کوڑے سے چوٹیں مارتے اور فرمایا کرتے تھے:

(۴) سنن ابن ماجہ تحقیق محمد فواد عبد الباقی ۵۵۴/۱، حدیث نمبر ۴۳۷۱، وفی اسنادہ۔



(كُلُّوْا، فَاِنَّهُ شَهْرٌ كَانَ تُعْظِمُهُ الْجَاهِلِيَّةُ). (۵)  
 ”کھاؤ، اس مہینے کی ایسی تعظیم تو جاہلیت کا شیوہ ہے“

طاہر ہے کہ حضرت فاروق ؓ ان خود ساختہ یا عہد جاہلیت کی یاد تازہ کرنے والے روزوں کی ممانعت فرما رہے ہیں، ورنہ اگر کوئی شخص ہر دوسرے دن کا روزہ رکھنے والوں میں سے ہو، جسے ”صوم داؤدی“ کہا جاتا ہے تو وہ حسبِ عادت روزہ رکھ سکتا ہے، ایسے ہی سال بھر ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھنے والا شخص بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے۔

کیونکہ یہ روزے مسنون ہیں، اور ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کے دو روزے بھی نبی ﷺ کا معمول تھے، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے یا ”بزرگوں نے فرمایا“ جیسی سند سے بیان کردہ روزے رکھتا ہے تو وہ بدعات میں شمار ہوں گے، ان کا نام ”لکھی“ رکھیں یا ”ہزاری“، اور انہیں ”مریم روزہ“ کا نام دیں یا ”معراج کا روزہ“ کہیں، نبی ﷺ، خلفاء راشدین و صحابہ کرام ؓ، ائمہ اربعہ اور علمائے دین رحمہم اللہ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہیں۔

## صلوۃ الرغائب

بعض لوگ ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو ایک خود ساختہ نماز ادا کرتے ہیں جسے ”صلوۃ الرغائب“ کا نام دیا جاتا ہے، یہ نماز جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شام کو مغرب و عشاء کے مابین پڑھی جاتی ہے، جس کی امام غزالی وغیرہ کی طرف سے بارہ رکعتیں قرار پائی ہیں، ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۃ فاتحہ، تین دفعہ سورۃ قدر ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اور بارہ مرتبہ سورۃ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر ستر مرتبہ درود



شریف پڑھیں اور پھر سجدہ میں گر کر ستر مرتبہ (سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَ  
الرُّوحِ)، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر ستر مرتبہ (رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ  
أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ) اور پھر دوسرے سجدہ میں بھی پہلے کی طرح ہی کریں۔ (۶)

اور کئی موضوع و من گھڑت روایتیں بیان کر کے اس نماز کی فضیلتوں کے پُل  
باندھے جاتے ہیں، جنہیں سن کر علم دین سے بے بہرہ اور اصلی و نقلی کی پہچان سے  
لا پرواہ لوگ حصول ثواب کے لیے کشاں کشاں چلے آتے ہیں، حالانکہ البداية و  
النهاية میں معروف مفسر و محدث اور مؤرخ امام ابن کثیرؒ کے بقول یہ نماز قطعاً بے  
ثبوت ہے۔ (۷)

**صلوة الرغائب اور علامہ عراقی:** علامہ عراقی نے احیاء علوم الدین

للغزالی کی تخریج میں مذکورہ نماز والی حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔ (۸)

**صلوة الرغائب اور ابن تیمیہ:** شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس نماز کے

بارے میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ دین اور علماء سلف  
رحمہم اللہ میں سے کسی سے بھی اس نماز کا ثبوت نہیں ملتا، اور نہ خاص ماہ رجب کی پہلی  
جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب کی فضیلت کسی حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہے اور اس  
کے بارے میں جو ایک روایت بیان کی جاتی ہے، وہ علم حدیث کی معرفت رکھنے  
والے علماء و محدثین کرام کے نزدیک جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ (۹)

**صلوة الرغائب اور فقہاء احناف:** اس صلوة الرغائب کے بارے

میں دیگر فقہی مکاتب فکر اور محدثین و مجتہدین کی طرح ہی حنفی مکتب فکر سے تعلق

(۶) الابداع فی مضار الابتداع للشیخ علی محمّد - ص: ۲۸۸-۲۸۹، احیاء علوم الدین  
للغزالی ۱۸۲/۱

(۷) البداية و النہایة لابن کثیر ۱۰۹/۳/۲

(۸) تخریج احیاء علوم الدین ۱۸۲/۱

(۹) الابداع ایضاً



رکھنے والے علماء بھی خوش فہم نہیں، بلکہ فقہ حنفیہ کی کتب میں بھی کھل کر اسے جعلی و من گھڑت اور بدعت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حاشیۃ الاشباہ للحموی سے نقل کرتے ہوئے معروف و متداول کتاب رد المحتار حاشیہ در مختار کی جلد اول ص: ۵۴۴ پر صلوٰۃ الرغائب کے بارے میں لکھا ہے:

(قَدْ حَدَّثْتُ بَعْدَ أَرْبَعِ مِائَةٍ وَ ثَمَانِينَ مِنَ الْهَجْرَةِ وَ قَدْ صَنَّفَ الْعُلَمَاءُ كُتُبًا فِي انْكَارِهَا وَ ذَمِّهَا وَ تَسْفِيهِهَا فَاعْلَمَ، وَلَا يُغْتَرُّ بِكَثْرَةِ الْفَاعِلِينَ لَهَا فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ).

”یہ نماز ۴۸۰ھ کے بعد ایجاد ہوئی اور علماء نے اس کے انکار و مذمت اور اسے ادا کرنے والوں کے احمق پن پر کئی کتابیں لکھی ہیں، اور کثیر شہروں میں اسے ادا کرنے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔“ اور آگے چل کر ص: ۶۶۰ پر لکھا ہے:

(وَلِذَا مُنِعُوا عَنِ الْاجْتِمَاعِ لِصَلَاةِ الرَّغَائِبِ الَّتِي أَحَدَتْهَا بَعْضُ الْمُتَعَبِّدِينَ لِأَنَّهَا لَمْ تُؤَثِّرْ عَلَى هَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ فِي تِلْكَ اللَّيَالِي الْمَخْصُوصَةِ إِنْ كَانَتِ الصَّلَاةُ خَيْرَ مَوْضُوعٍ). (۱۰)

”اور اسی لئے اہل علم نے اس نماز ”صلوٰۃ الرغائب“ کے لئے جمع ہونے سے منع کیا ہے، جسے بعض جاہل عابدوں (صوفیوں) نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ اس مذکورہ کیفیت کے ساتھ مخصوص راتوں میں ایسی کوئی نماز ماثور یا ثابت نہیں ہے، اگرچہ بذاتہ نماز تو اچھا عمل ہے۔“

علاوہ ازیں بعض دیگر مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کے اقوال و ارشادات سے بھی مذکورہ نماز کے بے اصل ہونے کا پتہ چلتا ہے، مثلاً:

**صلوٰۃ الرغائب اور حافظ ابن الجوزی:** حافظ ابن الجوزی نے ”



الحِصْنِ الْحَصِينِ“ میں اس نماز والی روایت کے بارے میں کہا ہے :

( فَلَا تَصِحُّ، وَسَنَدُهَا مَوْضُوعٌ وَبَاطِلٌ ). (۱۱)

”یہ صحیح نہیں ہے، اور اس کی سند من گھڑت اور باطل ہے“

**صلوۃ الرغائب اور امام نووی:** شارح مسلم امام نوویؒ اپنی ایک

دوسری کتاب ”المجموع شرح المہذب“ میں فرماتے ہیں:

”صلوۃ الرغائب کے نام سے معروف نماز جو ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی

رات کو مغرب و عشاء کے مابین بارہ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، اور ۱۵

شعبان کی رات کو سو رکعتوں پر مشتمل ایک نماز پڑھی جاتی ہے، یہ دونوں

نمازیں منکر ترین بدعت ہیں۔ اور کتاب ”قوت القلوب“ اور ”احیاء

علوم الدین“ میں ان نمازوں کے مذکورہ ہونے سے دھوکہ نہیں کھانا

چاہئے، اور ان نمازوں کے بارے میں بیان کی جانے والی احادیث سے

بھی دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، یہ سب باطل ہیں اور ائمہ علم میں سے ایک

صاحب پر ان نمازوں کی شرعی حیثیت مشتبہ ہو گئی، اور انھوں نے چند

اوراق پر مشتمل ایک رسالہ بھی لکھ مارا۔ اور اُس میں ان نمازوں کا استحباب

ذکر کر دیا۔ اُس رسالہ سے بھی دھوکہ نہ کھایا جائے [کیونکہ وہ رسالہ مِنْ

زَلَّاتِ الْعُلَمَاءِ کے قبیل سے ہے] اُس میں انھوں نے مغالطہ سے کام

لیا ہے، اور شیخ الاسلام ابو محمد عبد الرحمن بن اسماعیل المقدسی نے ان کے رد

میں ایک نفیس کتاب لکھی ہے جس میں بڑے عمدہ طریقے سے ان کا

بطلان ثابت کیا ہے۔“ - (۱۲)

**صلوۃ الرغائب اور امام طرطوشی:** اسی خود ساختہ نماز کے بارے

میں امام طرطوشی نے امام المقدسی سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

(۱۱) بحوالہ الابداع، ص: ۲۸۸

(۱۲) المجموع شرح المہذب، اور دیکھیے: الابداع، ص: ۲۸۸



(لَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا بَيْتُ الْمَقْدِسِ صَلَوةُ الرَّغَائِبِ هَذِهِ الَّتِي تُصَلَّى فِي رَجَبٍ وَلَا فِي شَعْبَانَ وَأَوَّلُ مَا حَدَّثْتُ عِنْدَنَا صَلَوةُ شَعْبَانَ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَ أَرْبَعِينَ وَ أَرْبَع مِائَةٍ) (۱۳)

”ہمارے یہاں بیت المقدس میں یہ نماز ”صلوة الرغائب“ نہیں پڑھی جاتی تھی جو کہ رجب میں پڑھی جاتی ہے اور نہ ہی پندرہ شعبان کی نماز مروّج تھی اور یہ شعبان والی نماز تو ۴۳۸ھ میں ایجاد ہوئی ہے“ ایسے ہی کئی دیگر محققین علماء نے اس صلوة الرغائب کو غیر مستحب بلکہ مکروہ و منکر بدعت قرار دیا ہے۔

### ماہ وشب معراج کی عدم تعیین :

رجب کے روزوں اور اس خود ساختہ صلوة الرغائب کی طرح ہی اس ماہ کی ۲۷ تاریخ کو بعض لوگ ”شب معراج“ ہونے کے زعم میں جشن مناتے ہیں، رات کو چراغاں کرتے ہیں اور خود ساختہ نمازیں پڑھتے ہیں، ان امور کی شرعی حیثیت متعین کرنے سے پہلے تو ضروری ہے کہ ”شب معراج“ کا تعین ہو، لیکن جب محدثین و مؤرخین کی تالیف کردہ کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ستائیسویں شب کے ”شب معراج“ قرار پانے سے پہلے خود ماہ رجب کے ماہ معراج ہونے پر بھی علمائے تاریخ کا اتفاق نہیں، معروف مفسر و مؤرخ امام ابن کثیرؒ نے اپنی ضخیم تاریخ اسلام البدایہ والنہایہ کے تیسرے جزء ص: ۱۰۸-۱۰۹ پر اسراء و معراج کا واقعہ نقل کرنے سے پہلے متعدد روایات بیان فرمائی ہیں، وہاں انہوں نے امام بیہقیؒ کے حوالہ سے امام ابوشہاب زہریؒ کا قول نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں :

(أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَبْلَ خُرُوجِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ بِسَنَةِ)



”نبی ﷺ کو ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے سفر معراج کرایا گیا۔“  
یہی قول غروہ کا ہے، امام حاکم کے حوالے سے انھوں نے حضرت سدی کا  
قول بھی ذکر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :

(..... لَيْلَةُ أُسْرِي بِهِ قَبْلَ مُهَاجِرِهِ بِسِتَّةِ عَشَرَ شَهْرًا )

”نبی ﷺ کو ہجرت سے سولہ ماہ قبل معراج کرایا گیا۔“

لہذا امام زہری وغروہ رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ماہ معراج ربیع الاول بنتا  
ہے، جبکہ وہ بھی ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن عساکر نے تو  
اسراء و معراج کی احادیث کا ذکر ہی اوائل بعثت کے واقعات میں کیا ہے اور حضرت  
سدی کے قول کے مطابق معراج کا واقعہ ماہ ذی القعدہ میں بنتا ہے۔ (۱۴)

ماہ ربیع الاول کے ماہ معراج ہونے سے متعلقہ امام زہری وغروہ رحمہما اللہ کے  
قول کی تائید حضرت جابر بن عبد اللہ بن عباس ؓ سے مروی ایک اثر سے بھی ہوتی  
تھی لیکن اس کی سند میں امام ابن کثیر کے نزدیک انقطاع ہے، یہ اثر مصنف ابن ابی  
شیبہ میں مذکور ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :

(وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفِيلِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ الثَّانِي عَشَرَ مِنْ  
رَبِيعِ الْأَوَّلِ وَفِيهِ بُعِثَ وَفِيهِ عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ وَفِيهِ  
هَاجَرَ وَفِيهِ مَاتَ). (۱۵)

”نبی ﷺ عام الفیل ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن پیدا ہوئے  
اُسی دن آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اُسی دن آپ ﷺ کو آسمان کی طرف  
معراج کرایا گیا، اُسی دن آپ ﷺ نے ہجرت کی اور اُسی دن آپ ﷺ  
نے وفات پائی۔“

یہاں بھی معراج کے ماہ ربیع الاول میں کرائے جانے کا ذکر ہے، مگر یہ روایت

(۱۴) البدایة و النہایة ۲/۳۸۷-۱۰۸-۱۰۹

(۱۵) البدایة و النہایة ۲/۳۸۷-۱۰۸-۱۰۹



چونکہ منقطع سند والی ہے، لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔ اسی طرح ماہ ربیع الثانی، ماہ رجب، ماہ شوال اور ماہ ذوالحجہ میں معراج کرائے جانے کی روایات بھی ملتی ہیں، اور ماہ رجب کی بھی، اور جب ماہ معراج پر ہی اتفاق نہیں تو تاریخ معراج کی تعیین متفق علیہ کیسے ہو سکتی ہے؟ مختصر یہ کہ اسی طرح ہی تاریخ معراج میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ بات بھی حکمت الہی سے خالی نہیں کہ ماہ و تاریخ معراج پر اتفاق نہ ہو سکا، تاکہ طرح طرح کی بدعات کو وجود میں لانے والوں کو یہ بنیادی چیز ہی متفق علیہ نہ ملے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید تھا کہ تمام مؤرخین کا اتفاق ہو جاتا۔

### جشن معراج کی شرعی حیثیت:

لیکن اگر مشہور روایت کے مطابق ماہ رجب اور اس کی بھی ستائیس تاریخ کو ہی ”شب معراج“ مان لیا جائے، تو اب باری آجاتی ہے، ہمارے لوگوں کے اس رات میں چراغاں کا اہتمام کرنے، جشن منانے، خوشیاں منانے کے رنگارنگ انداز اختیار کرنے، دن کو روزہ رکھنے اور رات کو نوافل پڑھنے کی شرعی حیثیت کے تعین کی۔ دن کو روزہ رکھنے اور اس رات کو قیام کرنے یا نوافل پڑھنے کے بارے میں تو ہم رجب کے روزوں اور صلوٰۃ الرغائب کے ضمن میں ذکر کردہ تفصیل پر ہی کفایت کرتے ہیں، کیونکہ صاحب البدایہ والنہایہ حافظ ابن کثیر کے مطابق رجب کی پہلی جمعرات و جمعہ کی درمیانی رات کو شام کے وقت مغرب و عشاء کے مابین پڑھی جانے والی صلوٰۃ الرغائب دراصل اسی زعم کا نتیجہ ہے کہ شب معراج رجب کے پہلے جمعہ کی رات ہے اور اس رات کو لیلة الرغائب اور اس کے لیے ایجاد کردہ نماز کو صلوٰۃ الرغائب کا نام دیا جاتا ہے۔ (۱۶)

اب رہا شب معراج کو جشن منانے اور چراغاں کا اہتمام کرنے کا مسئلہ، تو اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ نبی ﷺ، خلفاء راشدین و



عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، آئمہ اربعہ اور علمائے دین و سلف صالحین رحمہم اللہ کسی سے بھی ہمارے یہ مروجہ امور ثابت نہیں ہیں، جنہیں جشن معراج کے نام سے سرفراز کیا گیا ہے، امام الانبیاء نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم معجزہ کے بعد ایک طویل مدت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مابین موجود رہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود یہ کام کیے اور نہ ہی کسی کو ان کے کرنے کا حکم فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ ابرو پر جانیں نہ چھاؤں کرنے والے خلفاء و صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین و آئمہ، کسی سے بھی ان امور کا پتہ نہیں چلتا۔

**جشن معراج پر علامہ ابن باز کا تبصرہ:** ان جشنوں، جلسوں یا اجتماعات کی شرعی حیثیت کی تعیین کے بارے میں دورِ حاضر کے معروف عالم اور مفتی عالم علامہ عبدالعزیز ابن بازؒ نے ایک تفصیلی فتویٰ صادر فرمایا تھا، جس کا پورا متن یا ترجمہ تو نہیں، البتہ اُس کا ایک پیرا گراف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں:

”اسراء و معراج کی رات کا حدیثوں میں کوئی تعین نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی اس کی تعیین کے متعلق مذکور ہے، وہ سب من گھڑت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ ثابت نہیں۔ اور اگر بالفرض اُس کی تعیین ثابت بھی ہو جائے تو بھی اُس دن کو عبادت کے لیے خاص کرنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ اُس دن جلسہ و اجتماع اور احتفال یعنی جشن منانا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اُس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ایسا جلسہ و اجتماع نہیں کیا، اور نہ اس دن کو کسی عبادت کے لیے مخصوص کیا۔ اگر اس روز جلسے و اجتماع کرنا ثواب کا کام ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے قولی یا فعلی طور پر اس کی ضرورت و وضاحت فرما دیتے۔ اور اگر اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کوئی عمل واقع ہوا ہوتا تو لوگ اُسے پہچانتے اور وہ مشہور و معروف ہوتا۔

اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ (دوسرے دینی امور و ہدایات کی طرح) اسے بھی



ہماری طرف منتقل کرتے۔ کیونکہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے ہر اس شے کو نقل کیا ہے کہ جس کی اُمت کو ضرورت تھی۔ انہوں نے دین کے معاملے میں کبھی سستی و غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ نیکی کے معاملہ میں وہ پیش پیش تھے۔ اگر اس رات کو اجتماع و احتفال اور جلسہ و جشن منعقد کرنا جائز و کارِ ثواب ہوتا تو صحابہ کرامؓ یہ کام سب سے پہلے خود کرتے۔ علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ اپنی اُمت کے لیے سب سے زیادہ ناصح اور خیر خواہ تھے۔ اور آپ ﷺ نے پیغام رسالت نہایت دیانت و تندہی سے پہنچایا۔ اور اس امانت کا حق ادا کرنے اور اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ اگر اس رات کی تعظیم کرنا، اس میں اجتماع و احتفال اور جلسہ و جشن کوئی ذینی کام ہوتا، تو آپ ﷺ اس میں ہرگز سستی نہ کرتے، اور نہ ہی اسے اپنی اُمت سے مخفی رکھتے۔ اور جب آپ ﷺ نے کوئی ایسی بات کہی ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ اس رات کی تعظیم کرنا اور اس میں اجتماعات و احتفالات کوئی اسلامی فعل نہیں ہے۔ (۱۷)

### آتش بازی و چراغاں اور جانی و مالی نقصانات :

شب معراج کو جو چراغاں کرنے یعنی بکثرت شمعیں جلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور پھر پندرہ شعبان کو بھی ”شبِ قدر یا شبِ براءت“ کہتے ہوئے چراغاں کیا جاتا ہے، اور صرف چراغاں کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ بڑی زوردار آتش بازی بھی کی جاتی ہے، جبکہ پندرہ شعبان والی آتش بازی اور پٹاخے ہر سال لاکھوں، کروڑوں کا سرمایہ برباد کرنے کا سبب بن جاتے ہیں، اور اگر صرف اتنا ہی رہتا تو بھی شاید ”یہ مال تو آنی جانی چیز ہے“ کا نعرہ لگا کر بعض لوگ اس فکر سے آزاد ہو جاتے ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ ”بھئی پیسے پھر کمائے ہی کس لیے جاتے ہیں؟ اسی لیے تو

(۱۷) بحوالہ فتاویٰ مہمۃ لعامة الامۃ ص: ۵۶-۵۷ طبع مؤسسہ الحرمین الشریفین و ہفت روزہ الاسلام

لاہور ج ۱۵ شمار ۳۸ بابت ۹، رجب ۱۳۰۹ھ بمطابق ۱۷-۱۸۸۹ء



کمائی کی جاتی ہے کہ خوشی و غم میں کام آئیں، لہذا کیا ہوا، اگر خوشی کے اس موقع پر دو چار سو روپے کی آتش بازی ہمارے گھر والوں نے کر لی۔“

لیکن معاملہ دولت کی بربادی سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور اس آتش بازی و چراغاں کے دوران ہر سال ہی کئی گھروں کے چراغ بھی گل ہو جاتے ہیں، کسی خانہ میں اہل خانہ کا صرف ایک ہی لخت جگر تھا۔ اب ایسے ہی مروجہ کھیل تماشوں کا موقع آئے تو ایسے والدین اپنے اکلوتے لاڈلے کے لیے چاؤ پیار سے دوسرے لوگوں کی نسبت بڑھ چڑھ کر اور طرح طرح کی آتش بازی مہیا کر دیتے ہیں۔

اب اس بات سے تو شاید کوئی بھی ناواقف نہ ہو کہ آتش بازی سے جو ہر سال جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں، اُن میں سے ایسے کتنے ہی معصوم و محبوب اکلوتے لخت جگر بھی ہوں گے جن کا جھلس کر والدین کے ہاتھوں سے نکل جانا انہیں عمر بھر کا داغ دے جاتا ہوگا، اور ہمیشہ کے لیے ان کے دلوں کے چراغ گل کر جاتا ہوگا۔ اور پھر اگر کسی کا کوئی لخت جگر اکلوتا نہ بھی ہو، تو بھی یہ کون سا ایسا سودا ہے کہ پیسے کے ساتھ خریدا جاسکتا ہے؟ اور اس موقع پر آتش بازی کی نذر ہو جانے والا اگر پورے خاندان کا کفیل اور عیالدار ہو تو پھر اُس خاندان پر کیا کیا مصائب و مشکلات نہ آئیں گی۔ جن کی روزی روٹی کا ظاہری سہارا ہی چھن جائے؟

اس جانی اور مالی نقصان کے علاوہ دائر و گروں یا آتش بازی کی اشیاء تیار کرنے والوں کے بارے میں بھی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ اُن کے گھر میں موجو آتش گیر مادے میں دھماکہ ہو گیا، جس سے سارا گھر ہی جل گیا، اور گھر میں موجو د عورتیں، مرد، بچے، اور بچیاں بھی لقمہ اجل بن گئے۔ اور اتنے ہمسایوں کو فلاں فلاں نقصان پہنچا اور آتش بازی کے یہ نقصانات ہر سال اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اور اس کے ان جانی نقصانات سے قطع نظر اس کے تو محض مالی نقصانات بھی ایسے ہیں کہ شریعت کی رو سے یہ فعل حرام قرار پاتا ہے۔ اور ایسے مواقع پر دو چار سو کی آتش بازی کرنے والوں کو ”پیسے کے آنی جانی چیز“ ہونے کا اتنا ہی اعتماد و یقین



تو اس وقت دیکھنے والا ہوتا ہے، جب کوئی لاوارث، یتیم، بے بس، مسکین اور بھوکا و ننگا محتاج، اللہ کے نام پر سوال کر بیٹھے تو دولت کو آنی جانی کہہ کر فضول خرچیاں کرنے والے انہیں دو چار یا دس بیس روپے دینے کی بجائے دھکے اور گالیاں دیتے پائے جاتے ہیں۔ اور یوں لگتا ہے کہ اب ان میں احساسِ رحم و کرم مر ہی چکا ہے۔

## چراغاں کرنے کا آغاز و اسباب

### مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش

ہر سال اتنی بڑی دولت اور انسانی جانوں کو نذرِ آتش کرنے والے فعل کے جواز کا مطالبہ تو شاید کوئی بھی عقلمند نہ کرے۔ لہذا ان صریح حماقتوں کے ذکر کو چھوڑیں، البتہ چراغاں کرنے اور شمعیں جلانے کی تاریخ و اسباب قابلِ توجہ ہیں۔ آتش بازی اور بکثرت موم بتیاں جلا کر چراغاں کرنا تاریخی اعتبار سے ایک ہی گروہ کی سازش ہے۔ اور سازش بھی ایسی گہری اور خفیہ کہ مسلمان سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کریں، لہذا اسے عبادت و ثواب کے نام سے نہ صرف یہ کہ اسے گھروں کی حد تک ہی رہنے دیا، بلکہ مساجد بھی اس سے نہ بچ پائیں۔ اور شبِ معراج ہو یا شبِ براءت ہر دو موقعوں پر ہی چراغاں کے مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور شاید کبھی یہ صرف شبِ براءت کے ساتھ ہی خاص تھی۔ اور شبِ معراج اس سے محفوظ تھی لیکن دورِ حاضر میں ایسا نہیں رہا۔

### تاریخ چراغاں اور علامہ ابو شامہ : معروف و معتبر عالم علامہ ابو

شامہ نے اس چراغاں کی تاریخ و آغاز اور اس کی تہہ میں پائے جانے والے خطرناک محرکات کی تفصیل اپنی کتاب ”الباعث علی انکار البدع و الحوادث“ میں ذکر فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں :

”اہل بدعت نے جو بدعات ایجاد کی ہیں اور دینِ خالص میں جو اضافے



کیے ہیں اور جن امور میں وہ آتش پرست مجوسیوں کی روش پر چل نکلے ہیں، اور اپنے دین کو لہو و لعب بنا دیا ہے، اُن امور میں سے ایک نصف شعبان کی رات ”شب براءت“ میں چراغاں کرنا بھی ہے، حالانکہ نبی ﷺ سے اس رات میں ایسا کوئی عمل ثابت نہیں، نہ ہی آپ ﷺ سے اس رات میں کسی خاص نماز کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی چراغاں کے بارے میں کوئی حدیث ہے۔ اس فعلِ چراغاں کو شریعتِ اسلامیہ سے کھلوڑا کرنے اور دینِ مجوس میں دلی رغبت رکھنے والوں نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ مجوسی لوگ آگ کو اپنا معبود مانتے ہیں، اور اس کی پوجا پرستش کرتے ہیں۔

اس چراغاں کا آغاز خاندانِ براءت کے عہد میں ہوا، انہوں نے چالاکی کے ساتھ اسے دینِ اسلام میں داخل کر دیا، اور شعبان کی چراغاں کو ایسی ہوادی کہ اسے سننِ ایمان کے درجے پر لے آئے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اُن کا مقصد صرف لوگوں سے آگ کی پرستش کروانا تھا جسے وہ خود پوجتے تھے، یوں وہ اپنے دین کی اقامت چاہتے تھے۔ جبکہ مجوسیت درحقیقت تمام ادیانِ عالم سے بڑھ کر خائب و خاسر دین ہے، اور ان کا چراغاں کی ترغیب دلانا اس لیے تھا کہ لوگ اپنے سامنے بکثرت شمعیں جلا کر رکھ لیں گے اور نماز پڑھیں گے تو ان کے رکوع و سجود آگ کی طرف ہوں گے۔ (۱۸)

**امام ابن العربی:** معروف محدث و فقیہ امام ابن العربی فرماتے ہیں:

”مساجد میں بخور کا رواج سب سے پہلے بنو برمک میں سے یحییٰ بن خالد برمکی اور محمد بن خالد برمکی نے اختیار کیا کہ جنہیں والی سلطنت نے دینی امور کی مسئولیت سونپی تھی، ان میں سے محمد بن خالد تو حابِ سلطان (شاہی دربار کا دربان) تھا، اور یحییٰ بن خالد وزیر تھا، اور اُن کے بعد اس کا



بیٹا جعفر بن تکلی اس کا جانشین بنا، یہ سب باطنی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔  
لہذا انہوں نے مجوسیت یا آتش پرستی کا احیاء کیا اور مساجد میں بخور کو  
رواج دیا، حالانکہ پہلے صرف خلوق سے مساجد کو معطر کیا جاتا تھا، (اور  
بخور بھی مساجد یا کمروں کو معطر کرنے کا ایک ذریعہ ہے مگر اس میں آگ  
کے کوئلوں سے بھری چھوٹی چھوٹی مخصوص بناوٹ کی انگلیٹھیوں میں بخور کی  
مخصوص لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں، جن کا  
دھواں خوشبودار ہوتا ہے، اور مساجد معطر ہو جاتی ہیں، اور عموماً دیکھا گیا  
ہے کہ دہکتے کوئلوں سمیت دھواں چھوڑنے کی حالت میں ہی انھیں مسجد  
میں صفِ اوّل کے آگے کہیں امام کی دائیں یا بائیں جانب رکھ دیا جاتا  
ہے) امام ابن العربی کے بقول آتش پرستی کے احیاء کے لیے مساجد کو  
معطر کرنے کا یہ طریقہ برا مکہ کا ایجاد کردہ ہے، ورنہ پہلے مساجد کو اس بخور  
کی بجائے خلوق سے معطر کیا جاتا تھا۔

### دیگر مورخین: بعض مورخین نے لکھا ہے:

”ان برا مکہ نے ہارون الرشید کے سامنے کعبہ شریف میں بخور کی ایسی  
انگلیٹھیاں رکھنے کے فعل کو خوب بنا سجا کر پیش کیا، لیکن ہارون الرشید اُن  
کے بہکاوے میں نہ آیا، بلکہ اُس نے اُن کی سازش کا راز فاش کر دیا،  
کیونکہ وہ ان کی دسیسہ کاریوں سے واقف تھا، اور جانتا تھا کہ یہ لوگ کعبہ  
شریف میں یہ انگلیٹھیاں اس لیے رکھوانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان مساجد  
میں آگ رکھنے پر مانوس ہو جائیں، جبکہ آگ مجوسیوں کی معبود ہے، اور  
وہ اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ برا مکہ، آتش  
پرست مجوسیوں کی اُن خفیہ تنظیموں کے سربراہوں میں سے تھے جو کہ  
اسلام کی عمارت کو زمین بوس کرنے، عربوں پر مجوسیوں کا تسلط جمانے  
اور مجوسی حکومت کا دور لانے میں کوشاں تھیں۔



**الشیخ علی المحفوظ:** الغرض کبار علماء مصر میں سے شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کے بقول:

”مساجد میں چراغاں کرنا سلف صالحین کے عمل میں شامل نہ تھا، اور نہ ہی اُن کے یہاں مساجد کی یوں تزئین کی جاتی تھی، بعد میں چراغاں کے ذریعے مساجد کو مزین کرنے کا طریقہ ایجاد کیا گیا، حتیٰ کہ یہ سلسلہ رمضان المبارک کی تعظیم کا ایک لازمی جزء بن گیا، اور علماء کرام کے ان امور پر نکیر نہ کرنے کے باعث عوام الناس میں یہ فعل جڑ پکڑتے پکڑتے عقیدہ ہی بن گیا ہے۔“ (۱۹)

یہ ہیں آتش بازی اور چراغاں کرنے اور مساجد کو بخور سے معطر کرنے کی تاریخ اور اسباب و محرکات، اور آفرین ہے مسلمانوں کی سادہ لوحی پر کہ مجوسیوں کی سازش کو اپنے لیے عبادت بنائے چلے آ رہے ہیں۔ اور شبِ معراج، شبِ براءت اور ماہِ رمضان میں ان امور کو بجالانا اپنے لیے عظیم ثواب و سعادت سمجھتے ہیں، اور افسوس ہے اُن لوگوں کے تغافلِ مجرمانہ پر جو جانتے بوجھتے بھی ان افعال و دسائس کے خلاف زبان تک کھولنے پر آمادہ نہیں، اللہ انہیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۹:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ﴾

”جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسی اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔“

میں مذکور وعید شدید سے بچنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین



### ماہ رجب کے کوٹڈے وغیرہ :

ماہ رجب میں ہی حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کے نام کا حلوہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو کہ ”رجب کے کوٹڈوں“ کی شکل میں ایک خود ساختہ عبادت کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے، ایسے ہی اسی ماہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کی ولادت کی رات میں مجلس قائم کی جاتی ہے اور شیخ جیلانی رحمۃ اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح خواجہ غریب نواز، خواجہ بندہ نواز، اور میراں داتا وغیرہ بزرگوں کے نام پر بھی جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اور ان مجالس میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، طبلے بجائے جاتے ہیں، علم اٹھائے جاتے ہیں، اور کئی ایسی دوسری برائیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جنہیں نہ صرف یہ کہ دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ کوئی سلیم الطبع انسان ان افعال کو گوارہ بھی نہیں کر سکتا، دین اسلام کے نام پر قائم کی جانے والی ان مجالس کو دین کی تعلیمات سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

اور ہمارے پاک و ہند میں تو ایسے میلوں اور مجلسوں کی سارا سال بھر مار رہتی ہے، جبکہ مصر کے خرافی لوگوں میں بدوی، رفاعی اور دسوقی کے نام پر، شہر عدن میں عدی، اور ملک یمن میں زیلیعی کے نام پر جو بدعات اپنائی جاتی ہیں، تمام محققین علمائے اسلام اور اہل بصیرت، ان سب اعمال کے بدعت و ضلالت ہونے پر متفق ہیں، اور جن لوگوں کو ان افعال کے جواز پر اصرار ہے، ان کا بھی شاید کوئی قصور نہیں، کیونکہ حلوے نے ان کی عقل و دانش پر ایسے پردے ڈال رکھے ہیں کہ انہیں اُس کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

### بی بی کی صحنک اور رجبی وغیرہ :

بعض لوگ ماہ رجب میں حضرت بی بی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام کی صحنک تیار کرتے ہیں، جس کے کھانے میں شرکت کرنے والی عورتوں میں بعض شرطوں کا پایا جانا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت بی بی رضی اللہ عنہا کی



صحنک کو مرد نہ کھائیں اور کوئی کینر نہ کھائے، وہ عورت بھی نہ کھائے جس نے دوسرا خاوند کیا ہے، جو بیچ قوم کا یا بدکار ہو وہ بھی نہ کھائے، اور اس نیاز میں فلاں فلاں ترکاری ضرور ہی شامل ہو، اور مٹی و مہندی بھی ضرور ہو۔ (۲۰)

اور کچھ لوگ اسی مہینہ میں رجبی مناتے ہیں، ان امور کی شریعت اسلامیہ میں کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ خود ساختہ اور غیر اللہ کی نیازی ہیں، اور وہ بھی صرف برصغیر کی تیار کردہ۔

## رجب کے گونڈے اور ایک افسانہ

یہی حال حضرت امیر حمزہ ؓ اور حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ کے گونڈوں کا بھی ہے، جن کے مدعوین مہمانوں یا بالفاظ دیگر ”گونڈہ خوروں“ کو پہلے یہ ہدایت کی جایا کرتی تھی کہ یہ اندر ہی اندر پکتے اور تیار کیے جاتے ہیں، انہیں اندر ہی کھائیں، اس مخصوص حلوے کو چھت کے نیچے تیار کیا جاتا ہے اور چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے اسے باہر نہیں لے جایا جاسکتا۔ اُن کی یہ بات محض اس حد تک تو بہر حال معقول ہے، اور وہ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں چھت سے باہر لے جا کر نہیں کھائی جاتیں، بلکہ یہ ”اندر کی چیز“ ہے، اسے اندر ہی رہنا چاہیے، باہر تو وہی چیز لائی جاسکتی ہے جو مذہبی، اخلاقی، طبعی اور معاشرتی ہر اعتبار سے جائز اور ناقابل اعتراض ہو، جبکہ یہاں کم از کم دینی و مذہبی اعتبار سے معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ گونڈوں کا آغاز کسی شرعی دلیل پر نہیں ہوا بلکہ یہ تو محض ایک قصے یا افسانے میں ظہور پذیر ہوئے ہیں، قرآن و سنت اور سلف امت کے یہاں یہ مروجہ فعل ثابت نہیں ہے۔

تو آئیے پہلے آپ کو ان گونڈوں کو وجہ جواز بخشنے والی ”داستان عجیب“ کا خلاصہ سنا دیں، لکڑہارے کی وہ داستان کچھ اس طرح ہے :

”ایک لکڑہارہ مدینہ منورہ میں تنگدستی کی زندگی بسر کر رہا تھا، تو نگری کی تلاش میں وہ مدینہ سے نکلا، اور بارہ سال کہیں بھی خوش حالی کی جھلک نظر



نہ آئی، پیچھے بیوی نے وزیر محل میں نوکری اختیار کر لی، ایک دن جھاڑو دے رہی تھی کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا وہاں سے گذر ہوا، انھوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: آج کیا تاریخ ہے؟ کسی نے بتایا: آج رجب کی بائیس (۲۲) تاریخ ہے، فرمایا: اگر کوئی مشکل میں پھنسا ہوا ہو تو اس کو چاہیئے کہ نئے کونڈے لائے اور اُن میں پُوریاں بھر کر میرے لیے فاتحہ پڑھے، پھر میرے وسیلے سے دُعاء مانگے، اگر اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہ ہوئی تو قیامت کے دن میرا دامن پکڑ لے، یہ سن کر لکڑہارے کی بیوی نے اس پر عمل کیا اور اپنے شوہر کے صحیح و سلامت اور مال و دولت کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی دُعاء کی کونڈے اپنا رنگ دکھاتے ہیں، بارہ سال سے مارا مارا پھرنے والا لکڑہارا ایک مدفون خزانے کو پالیتا ہے، اور واپس آ کر وزیر محل کے سامنے ایک شاندار گھر بنالیتا ہے۔

اچانک ایک دن وزیر کی بیگم کی نظر اپنے محل کے سامنے بنے ہوئے اُس شاندار مکان پر پڑی، اور پتہ چلا کہ یہ اُسی خادمہ کا گھر ہے جو یہاں جھاڑو دیا کرتی تھی، اسے منگوا کر اس کا راز پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ سب کونڈوں نے رنگ دکھایا ہے، وزیر کی بیگم کو کونڈوں کی اس ”کرامت“ پر یقین نہ آیا اور کہا: ”تمہارے شوہر نے یہ مال کسی چوری ڈاکے کے ذریعے حاصل کیا ہوگا“

جیسے ہی اس نے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے ارشاد و کرامت کو جھٹلایا ویسے ہی اس کے میاں سے وراثت کا عہدہ جاتا رہا، حاسد و کینہ پرور جھوٹا وزیر غالب آگیا اور اس نے اس کے میاں کو خائن ثابت کر دیا، بادشاہ نے اس وزیر کو معزول کر کے اس کی تمام جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی اور اسے ملک چھوڑ جانے کا حکم دے دیا، میاں بیوی شہر سے نکل رہے تھے کہ بیوی کے پاس کل دو درہم تھے، ان میں سے انھوں نے ایک درہم کا خربوزہ خرید کر رومال میں باندھ لیا، تاکہ بھوک کے وقت کام آئے۔



اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دن بادشاہ کا بیٹا شکار پر گیا ہوا تھا جس کے واپس آنے میں کچھ دیر ہو گئی، نئے وزیر نے پھر کاری ضرب لگائی کہ کہیں معزول وزیر نے اُسے قتل نہ کروا دیا ہو۔ بادشاہ کے حکم سے سرکاری کارندے گئے اور انھیں دربار میں حاضر کر دیا، جب معزول وزیر کی بیوی کے ہاتھ میں موجود رو مال کو کھولا گیا تو اس میں خربوزے کی جگہ شہزادے کا سر بندھا ہوا پایا گیا، بادشاہ ان دونوں کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم صادر کر دیتا ہے، اور جیل میں بند کر دیتا ہے۔

وزیر اور اس کی بیگم کونڈوں کی کرامت پر یقین نہ کرنے کے نتیجے میں سزائے موت کے انتظار میں جیل میں بند ہیں، وزیر اپنی بیگم سے کہتا ہے: ”مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی پر ظلم کیا ہو، نہ جانے ہمیں کس خطا کی پاداش میں یہ ذلت و رسوائی مل رہی ہے؟“ وزیر کی بیگم نے کہا: ”آپ تو بے قصور ہیں، قصور وار تو میں ہوں کہ جس نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا انکار کیا۔“

چنانچہ وہ ساری رات توبہ کرتی رہی، خلاصی کی صورت میں کونڈے بھرنے کا عزم کرتی رہی، ادھر انہوں نے کونڈوں کی عظمت کا اقرار کیا، ادھر شہزادہ شکار سے گھر واپس آ گیا، بادشاہ اپنے بیٹے کو سلامت دیکھ کر بڑا حیران ہوا، اور وزیر کو جیل سے نکلوا کر ماجرا دریافت کیا، تو اس نے ادب و احترام سے کونڈے نہ بھرنے، ان کو جھٹلانے اور پھر رات جیل میں توبہ کر کے کونڈے بھرنے کے عہد کا واقعہ بیان کر دیا، بادشاہ نے اس وزیر کو دوبارہ بحال کر دیا، بلکہ خلعت سے بھی نوازا، پھر بادشاہ اور وزیر تو کیا، رعایا نے بھی کونڈے بھرنے کا اہتمام شروع کر دیا۔

یہ عجیب و غریب داستان کونڈے بھرنے والوں کی دلیل ہے جو نہ تو آسمان سے نازل ہوئی ہے، نہ نعی رحمت ﷺ کی زیان مبارک سے صادر ہوئی ہے، اور نہ ہی خلفاء راشدین یا دیگر صحابہ ؓ میں سے کسی کی طرف منسوب ہے، بلکہ قطعی من گھڑت



کہانی ہے، جو قرآن و حدیث تو دور کی بات ہے، کسی بھی معتبر کتاب میں مذکور نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے، بلکہ کسی منشی جمیل احمد کے منظوم کلام میں خوبصورت انداز سے یہ افسانہ ملتا ہے، جس کا خلاصہ ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اسے الف لیلوی اور ہزار داستان نما ادبی شہ پارہ تو کہہ سکتے ہیں، مگر اسے شریعت مان لیں، اتنی بڑی حماقت کوئی صاحب عقل و دانش مسلمان کیسے کر سکتا ہے؟  
اس افسانہ کے من گھڑت ہونے کے بعض دلائل :

### اولا :

جس ہستی یعنی حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف اس داستان کو منسوب کیا گیا ہے، اُن سے ایسے متکبرانہ الفاظ کا صادر ہونا قطعاً بعید از عقل ہے۔

### ثانیا :

اس داستان کے جھوٹے ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں نہ کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے، نہ وزیر، خصوصاً جبکہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش ایک روایت کے مطابق ۸ رمضان ۸۰ھ اور دوسری کے مطابق ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ میں ہوئی، اور اُن کی وفات پر اتفاق ہے کہ ۱۵ شوال ۱۴۸ھ ہے، اب تاریخ اسلام کو دیکھ لیں، معلوم ہو جائے گا کہ اُن کی عمر عزیز کے تقریباً باون (۵۲) سال خلفائے بنی امیہ کے عہد میں گزرے جن کا دار الخلافہ دمشق تھا، اور باقی سال خلافت بنی عباس میں گزرے جنہوں نے بغداد کو اپنا دار الخلافہ بنالیا تھا۔

ان تاریخی حقائق سے معلوم ہو گیا کہ مدینہ میں کبھی کوئی بادشاہ تھا، نہ اس کا محل، نہ کوئی وزیر تھا، اور نہ ہی وزیر کا محل، البتہ جس ادیب و شاعر نے بادشاہ، وزیر اور ان کے محلات بنا ڈالے، اسی نے لکڑہارے کا کردار بھی تراش لیا، اور ایک ادبی شہ پارہ لکھ مارا جسے ہم نے شریعت بنا ڈالا ہے۔



**ثالثاً:**

سابقہ دونوں تاریخی روایات کے مطابق امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش ۸ رمضان یا ۷ ربیع الاول ہے، ۲۲ رجب نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ان کی تاریخ وفات ہے، بلکہ وہ بالاتفاق ۱۵ شوال ہے، اب بتائیں یہ کونڈے کس خوشی میں بھرتے ہیں؟

**اصل حقیقت:**

درحقیقت بعض لوگوں کے نزدیک اُس دن نبی ﷺ کے کاتب وحی اور آپ ﷺ کے برادرِ نسبتی، امّ المؤمنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی، لہذا وہ تو عماً اور دانستہ بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اظہار کے لیے خوشی مناتے اور حلوہ پوری کے کونڈے بھر بھر کر تقسیم کرتے ہیں، جبکہ دیگر لوگوں کی کثیر تعداد بلا سوچے سمجھے، نادانستہ ہی ان کی خوشی میں شریک ہو جاتی ہے، پہلے تو اندر کا یہ لاوا اندر ہی اندر پکتا تھا، اور اندر ہی اندر کھایا جاتا تھا، مگر جب دوسرے لوگوں کی ایک بھیڑ بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئی تو اب اُسے مذکورہ داستانِ عجیب کے ذریعے ایک نئی صورت دے دی گئی ہے۔ (۲۱)

اس داستان میں قرآن و سنت کی تعلیمات سے رُوگردانی، نذرِ بغیر اللہ اور حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی شان میں توہین و گستاخی کے پہلو بھی نکلتے ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کی بجائے سرِ دست ایسے من گھڑت قصے کہانیوں کو عمل کی بنیاد بنانے والوں سے صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں مِلّا  
کارِ طفلان تمام شد ہ

(۲۱) (مختصر اُز: ”رجب کے کونڈے“ مولانا فضل الرحمن، طبع دار الدعوة السلفیہ، لاہور، ہفت روزہ الاعتصام لاہور، جلد ۳۹، شمارہ ۱۳، بابت ۲۶ رجب ۱۴۰۷ھ بمطابق ۲۷ مارچ ۱۹۸۷ء)



### انوارِ قرآن و حدیث :

آئیے! ایمان و عقیدہ کی تازگی کے لیے قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کے بعض ارشادات اور احادیث شریفہ سے نبی اکرم ﷺ کے چند فرمودات و معمولات کا بھی مطالعہ کریں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ حاجت مندوں کو مشکلات میں گھر جانے کی شکل میں کسے پکارنا چاہیے؟ اور کس سے مشکل کشائی طلب کرنا چاہیے۔ اور وہ کون سی ذات ہے جو ایسے وقت میں حاجتیں پوری کرنے اور مشکلات دور کرنے کے لیے سُنتی اور مانتی ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۶ میں اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ ☆

”آپ سے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں (کہ میں کہاں ہوں؟) تو فرمادیں کہ بے شک میں بہت قریب ہوں۔ میں دُعاء مانگنے والے کی دُعاء قبول کرتا ہوں، جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ (یہ آپ انہیں سُنادیں) شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔“

اور سورہ مؤمن، آیت: ۶۰ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

”اور تمہارے رب نے فرمایا، کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سنوں گا۔“

اور سورہ تغابن، آیت: ۱۳ میں فرمایا:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ☆

”اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں پس مومنوں کو چاہیے کہ صرف اللہ



تعالیٰ پر ہی توکل کریں۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ بہت قریب ہے۔ اور پکارنے والے جب بھی اسے پکارتے ہیں تو نہ صرف وہ ان کی پکار سنتا ہے بلکہ جو کچھ وہ مانگتے ہیں وہ بھی دیتا ہے۔ کوئی مانگنے والا تو ہو۔ اور یہ بھی کہ چونکہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے، لہذا اہل ایمان مسلمانوں کو چاہیے کہ صرف اُسی پر توکل اور بھروسہ رکھیں اور دَر دَر کی خاک نہ چھانتے پھریں۔

اگر کبھی آزمائش کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو کوئی تکلیف آجائے تو اسے سوائے اُس کے کوئی بھی دُور نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کی طاقت رکھتا ہے جیسا کہ سورہ نمل کی آیت: ۶۲ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ اَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ يَكْشِفُ السُّوْءَ ﴾

”کون ہے جو مجبور و بے قرار کی دُعاء و پکار کو سنتا ہے۔ جبکہ وہ اُسے پکارے اور کون اس تکلیف کو رفع کرتا ہے؟“

سورہ النعام، آیت: ۱۷، اور سورہ یونس، آیت: ۱۰۷ میں صراحت کے ساتھ

فرمایا ہے:

﴿ وَاِنْ يُّسْئَلْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَہٗ اِلَّا هُوَ ﴾

”اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اُسی کے سوا اُسے دُور کرنے والا دُوسرا کوئی نہیں ہے۔“

یہاں بات صاف ہو گئی کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے جس میں کوئی نبی یا ولی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ لہذا صدقہ و خیرات صرف اللہ کے نام کریں۔ یہی ذریعہ ثواب و نجات اور باعثِ دفعِ بلا ہے۔ اور غیر اللہ کے نام پر دی گئی نذر و نیاز نہ صرف یہ کہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوتی بلکہ وہ تو صریح شرک اور گناہِ کبیرہ ہے۔



ماہ رجب کے کونڈے بھی اسی میں آتے ہیں۔ جعل سازوں اور شکم پرست جاہلوں نے انہیں رواج دیا۔ اور کچھ جاننے والے طبقہ کے افراد نے اپنی بھلائی اور فائدہ اسی میں دیکھا کہ لوگوں کو اسی راہ پر چلتے رہنے دینا چاہیے تاکہ روزی روٹی کا چکر چلنے کے ذرائع میں سے ایک یہ بھی بحال رہے۔ بلکہ سیدھے سادے لوگوں کو ان کے خُود ساختہ فضائل سنا کر مزید پختہ کیا اور کونڈے بھرنے والوں کو گناہوں سے خلاصی اور جنت کی بشارتیں دیں، اور دنیا میں اس فعل کو مُرادیں پوری ہونے کا ذریعہ بتایا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کے کونڈے بھرنے والوں کا یہ عقیدہ بالکل عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح ہے، جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نَعُوذُ بِاللّٰهِ سُوْلٰی پر چڑھ کر ان لوگوں کے گناہ بخشوائیے ہیں۔ یا پھر عیسائی گنہگار چرچ (گر جا) میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف اپنے پادری کے سامنے کرتے ہیں۔ اور وہ اُن کی بخشش کروا دیتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ان ہردو کے عقیدہ میں باہم کیا فرق ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ کے نواسے حضرت علیؑ کے پوتے اور حضرت باقرؑ کے بیٹے حضرت جعفر صادقؑ ایک ایسے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ اُن کا گھر سونے چاندی کی چمک و دمک سے روشن نہ تھا۔ بلکہ ان کے خاندان نے غربت و افلاس اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ایمان کی روشنی کو کبھی گل نہیں ہونے دیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا

بیان ہے:

(( مَا شَبَعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَينِ

مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ))

”نبی ﷺ نے کبھی بھی جو کی روٹی مسلسل دو دن پیٹ بھر کر نہ کھائی، یہاں



تک کہ رسول اللہ ﷺ کی روح طاہر قبض کر لی گئی۔ (۲۲)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

(( خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنَ الْخُبْزِ )) (۲۳)

”نبی ﷺ اس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے کہ آپ ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی تھی۔“

صحیح بخاری میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(( أَنَّهُ مَشَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِخُبْزِ الشَّعِيرِ وَ إِهَالَةٍ سُنْخَةٍ ، وَ لَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ ﷺ ذِرْعًا لَهُ بِالْمَدِينَةِ عِنْدَ يَهُودِيٍّ ))

”میں نبی ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور بدلی ہوئی ہوا والی چربی کا تیل لے کر حاضر ہوا۔ جبکہ نبی ﷺ اپنی ایک ذرع [سہنی جنگی لباس] مدینہ کے ایک یہودی کے یہاں گروی رکھ چکے تھے۔“

اور یاد رہے کہ گھروالوں کے لیے جو لے کر ان کے بدلے میں یہ ذرع گروی رکھی تھی اور کتب حدیث و سیرت میں یہ بات معروف ہے کہ جب آپ ﷺ نے رحلت فرمائی تو اس وقت بھی آپ ﷺ کی ذرع ایک یہودی کے ہاں گروی پڑی تھی۔ آگے اسی مذکورہ حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس نواز واج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ بایں ہمہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

(( مَا أَمْسَى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ وَلَا صَاعٌ حَبٍّ )) (۲۴)

(۲۲) (بخاری، کتاب الاطعمة و الرقاق، مشکوٰۃ تحقیق الالبانی ۳/۱۴۴۳)

(۲۳) (بخاری: ۲۰۶۹)

(۲۴) (بخاری حدیث: ۵۴۱۴)



”آل محمد ﷺ کے پاس کسی رات بھی ایک صاع گندم یا ایک صاع دانے جمع نہیں رہے۔“

بھلا بتائیے کہ ایسی مقدس ہستی جس کے خاندان والوں اور اہل بیت کی غربت و افلاس کا یہ عالم تھا کہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور جس شخصیت نے ایسی پاکیزہ خاندانی تربیت اور عمدہ روایت کے مطابق پرورش پائی ہو، انہیں ان کونڈوں کے عمل اور حلوہ پوریوں کا خیال کہاں سے آگیا؟ اور پھر جب یہ کام تابعین، تبع تابعین، محدثین و مجتہدین اور ائمہ و فقہاء رحمہم اللہ میں سے کسی نے نہیں کیا تو آج ان کونڈے خوروں کو آخر اس کے جواز کا ثبوت کہاں سے مل گیا ہے؟

### اولاً :

روایت و درایت اور نقل و عقل ہر اعتبار سے یہ فعل خود ساختہ اور غیر اسلامی ہے۔

### ثانیاً :

ان لوگوں نے اگر کونڈوں کو مغفرت کا سستا طریقہ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور انہی کے ذریعے وہ جنت پانا چاہتے ہیں تو پھر یقین جانیں کہ یہ جنت احمقی میں رہنے والی بات ہے۔ کیونکہ جب تک عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی، مغفرت نہ ہوگی۔ محض کسی بزرگ کی قرابت کے دعوے کام نہ آئیں گے۔ سورۃ ہود کی آیت: ۴۵ اور ۴۶ پڑھ کر دیکھیں حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے [کنعان] کی نسبت کیسا سخت جواب بلکہ ڈانٹ پلائی گئی تھی۔ سورۃ توبہ آیت: ۱۱۳ میں ہمارے نبی ﷺ کو بھی مشرکین کے لیے دعائے مغفرت و شفاعت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

اور سورۃ بقرہ آیت: ۲۵۵، یعنی آیۃ الکرسی میں :

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾

فرما کر واضح فرمادیا گیا ہے کہ دربار الہی میں اُس کے حکم کے بغیر کوئی بھی کسی



کی سفارش نہیں کر سکے گا۔

جب معاملہ اتنا سخت ہے، تو پھر شب و روز اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانیاں کرنے اور خود اپنے ہی بنائے ہوئے اعمال کو اختیار کرنے والے کی نسبت شفاعت کیسے ہوگی؟ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کی سفارش ہر گنہگار کے متعلق کیسے قبول ہوگی؟

اللہ کے بندو! ہاتھوں پر ہاتھ رکھے محض تمناؤں کی بناء پر جنت کے وارث بن جانے کی بجائے مسنون عمل کی دنیا میں آؤ۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں مذکور اُس ارشادِ نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھو، جس میں آپ ﷺ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ الزہراءؑ، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنے چچا حضرت عباسؑ اور پورے خاندان و قبیلہ کو الگ الگ مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ اپنے آپ کو آگ سے بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا :

(يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ! سَلِّينِي مَا شِئْتُ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي  
عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا). (۲۵)

”اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو

مانگ لو، لیکن حکمِ الہی کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔“

اگر عمل کے بغیر محض تمنا اور شفاعت کے سہارے نجات و مغفرت ممکن ہوتی تو اُن سادات کی ہوتی، مگر آپ ﷺ نے حقیقت واضح فرمادی ہے، تو اُن کے مقابلہ میں ہما شما کی حیثیت ہی کیا ہے؟

(۲۵) (بخاری حدیث: ۲۶۰۲، مسلم حدیث: ۲۰۴، صحیح ترمذی: ۱۸۸۰-۲۵۳۵، صحیح



بائیس رجب کے کوٹھے اور فاضل بریلوی احمد رضا خان کا فتویٰ :

کوٹھوں کی رسم نہ صرف شیعہ بلکہ سنیوں اور عموماً بریلوی حضرات میں بھی چلتی ہے، جبکہ اُن کے بانی فاضل بریلوی احمد رضا خاں اپنی معروف کتاب ”احکام شریعت“ میں ان کے خلاف فتویٰ دے چکے ہیں، اسکے حصّہ اول کے صفحہ: ۵۵ پر وہ لکھتے ہیں:

علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

( وَمَنْ يَكُونُ يَطْعَنُ فِي مُعَاوِيَةَ فَذَلِكَ كَلْبٌ مِنْ كِلَابِ  
الْهَآوِيَةِ )

”جو شخص حضرت معاویہ ؓ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔“

چہ جائیکہ ان کے یومِ وفات [۲۲ رجب] کو ان کی موت کی خوشی میں کوٹھے کرے۔ (۲۶)

ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ ؓ خدمتِ نبوی ﷺ سے جدا نہ ہوئے ہمہ وقت پاس رہتے اور وحیِ الہی کی کتابت کرتے، حضور رسول اکرم ﷺ کا ان کے دل میں جو احترام تھا، وہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا۔

”ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت“ جلد سوم ص: ۴۲ پر فاضل بریلوی کا بیان مذکور ہے کہ ایک صحابی عابس بن ربیعہ ؓ کی شباہت کچھ کچھ سرکار سے ملتی تھی، جب وہ [دمشق] تشریف لاتے، حضرت معاویہ ؓ اپنے تخت سے سرودھ ہو جاتے [اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ سے کچھ مشابہ تھے]۔ (۲۷)

(۲۶) (بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی، ص: ۷۲-۷۳)۔

(۲۷) (بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی، ص: ۷۷)۔



## بدعاتِ ماہِ شعبان

ماہِ شعبان اور آتش بازی وغیرہ:

ماہِ شعبان سے متعلقہ بعض موضوعات کی وضاحت کر دینا بھی مناسب لگتا کہ اس ماہ میں کون کون سے اعمال مسنون ہیں؟ اور وہ کون کون سے افعال ہیں جو نہ صرف یہ کہ مسنون نہیں بلکہ بدعات ہیں؟ اسی طرح اس ماہ کی درمیانی یعنی نصف شعبان کی رات کی حقیقت کیا ہے؟ اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے اور اس رات میں جو ایک مخصوص نماز ادا کی جاتی ہے، اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟ اُس رات جو آتش بازی اور چراغاں کی جاتی ہے، اُن کی حقیقت تو ہم ”بشنِ معراج“ کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں، لہذا اُسے انہیں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

ماہِ شعبان کے روزے:

دیگر امور کے سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس ماہ کے کسی خاص دن کو مقرر کیے بغیر اس میں بکثرت نفلی روزے رکھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

(( كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ: لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ: لَا يَصُومُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ شَهْرًا قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِي شَعْبَانَ )) . (۲۸)

”نبی ﷺ [نفلی] روزے اس کثرت سے رکھتے کہ ہم کہتے کہ شاید آپ ﷺ کسی دن کا روزہ بھی نہیں چھوڑیں گے، اور کبھی مسلسل

(۲۸) (بخاری: ۱۹۶۹، مسلم: ۴/۸/۳، صحیح الترمذی: ۶۱۵، صحیح النسائی: ۴۲۱۵،

ابن ماجہ: ۱۷۱۰)۔



روزے نہ رکھتے تو ہم سمجھتے کہ آپ ﷺ کبھی [نفلی] روزہ نہیں رکھیں گے، اور میں نے آپ ﷺ کو کسی بھی ماہ کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے رمضان کے، اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔“

اس موضوع کی احادیث صحاح و سنن میں بکثرت ہیں، جن میں سے بعض میں تو کَلِّہ کے الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے، مگر اُس کل سے مراد اکثر ہے نہ کہ مکمل مہینہ، کیونکہ صحیح مسلم و نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا قَطُّ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ غَيْرَ رَمَضَانَ)). (۲۹)

”نبی ﷺ جب سے مدینہ طیبہ آئے، سوائے رمضان کے آپ ﷺ نے کسی ماہ کے پورے روزے کبھی نہیں رکھے۔“

عربوں میں ویسے بھی اکثر پر کُلّ کا لفظ بولا جانا معروف ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے امام عبد اللہ ابن المبارکؒ سے نقل کیا ہے :

(وَهُوَ جَائِزٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ إِذَا صَامَ أَكْثَرَ الشَّهْرِ أَنْ يَقُولَ: صَامَ الشَّهْرَ كُلَّهُ). (۳۰)

”کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ماہ کے اکثر دنوں کے روزے رکھے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس نے سارے ماہ کے روزے رکھے۔“

اور یہ بات تقریباً ہر زبان میں ہی معروف ہے۔

(۲۹) مسلم مع سننوی ۳/۸۶، صحیح نسائی ۲۲۱۳

(۳۰) (ترمذی مع التحفہ ۳/۴۳۶، ایضاً فتح الباری )



اور صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے:

﴿مَا صَامَ النَّبِيُّ ﷺ شَهْرًا كَامِلًا قَطُّ غَيْرَ رَمَضَانَ﴾.

”نبی ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے روزے کبھی بھی پورے نہیں رکھے۔“

اور اسی حدیث شریف میں آپ ﷺ کے نقلی روزوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(وَيَصُومُ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: لَا وَاللَّهِ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتَّى

يَقُولَ الْقَائِلُ: لَا وَاللَّهِ لَا يَصُومُ). (۳۱)

”آپ ﷺ کبھی اس تسلسل سے روزے رکھتے چلے جاتے کہ کہنے والا

کہتا: اللہ کی قسم! آپ ﷺ کوئی روزہ نہیں چھوڑیں گے، اور آپ ﷺ

جب روزے ترک کرتے تو مسلسل ترک ہی کیے جاتے حتیٰ کہ کہنے والا

کہتا: وَاللَّهِ! آپ ﷺ تو کبھی بھی [نقلی] روزہ نہیں رکھیں گے۔“

ان اور ایسی ہی دوسری احادیث کا مجموعی مفاد یہ کہ آپ ﷺ حسبِ موقع اور

حسبِ فرصت کبھی مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے اور کبھی مسلسل چھوڑتے ہی چلے

جاتے، جبکہ ہر ماہ کے ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے اور ہر ہفتہ

میں پیر اور جمعرات کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

ماہ شعبان کے بکثرت روزے رکھنے کی وجہ:

ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے تو ماہِ محرم کے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم

اور دیگر کتب حدیث میں وارد ہے، البتہ آپ ﷺ نے محرم سے بھی زیادہ شعبان کے

روزے رکھے ہیں، اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس

بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کو ماہِ محرم کے روزوں کا شعبان کے روزوں سے



افضل ہونا بعد میں بتایا گیا ہو، اور عمر کے آخری حصہ میں اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بکثرت روزے نہ رکھ سکے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اتفاق سے ماہِ محرم میں سفر اور مرض وغیرہ کے عذر کی وجہ سے اس کے روزوں کی کثرت نہ فرما سکے ہوں۔“

علامہ یمانی امیر صنعانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں لکھا ہے:

”اس بات کا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ ماہِ محرم کے روزوں کی فضیلت حرمت والے مہینوں میں سے سب سے زیادہ ہو، یعنی عام مہینوں کی نسبت سے تو شعبان کے روزے افضل ہوں، مگر حرمت والے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب اس سے مستثنیٰ ہوں، کیونکہ ان چار مہینوں کی فضیلت ماہِ رمضان کے سوا دوسرے عام مہینوں سے ویسے ہی زیادہ ہے، اور پھر ان زیادہ فضیلت والے مہینوں میں سے بھی ماہِ محرم کے روزے زیادہ فضیلت والے ہوں۔“ (۳۲)

نبی ﷺ کے ماہِ شعبان کے اکثر روزے رکھنے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں، علامہ یمانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں اور دیگر شارحین نے اپنی اپنی کتب میں بعض روایات بھی نقل کی ہیں، جن میں اس کا سبب بھی مذکور ہے، مگر وہ چونکہ ضعیف روایات ہیں، لہذا ان سے قطع نظر اس سلسلہ میں صحیح ترین حدیث وہ ہے جو کہ ابو داؤد و نسائی اور صحیح ابن خذیمہ میں ہے جس میں حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا، اے اللہ کے رسول ﷺ!

(لَمْ أَرَكَ تَصُومُ مِنْ شَهْرِ مِنَ الشُّهُورِ مَا تَصُومُ مِنْ شَعْبَانَ،



قَالَ ذَالِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَ رَمَضَانَ وَهُوَ  
شَهْرٌ تَرْفَعُ فِيهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ  
عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ (۳۳)

”میں نے آپ ﷺ کو ماہ شعبان جتنے [نفلی] روزے کسی دوسرے مہینے  
کے رکھتے نہیں دیکھا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایسا مہینہ ہے جو  
رجب اور رمضان کے درمیان ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور یہ  
مہینہ وہ ہے کہ جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے  
جاتے ہیں، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل ایسی صورت میں اٹھایا جائے  
کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔“

ماہ شعبان میں نبی ﷺ کے بکثرت روزے رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی  
گئی ہے کہ ایام بیض اور پیرو جمعرات کے روزے آپ ﷺ اکثر رکھا کرتے تھے، اور کبھی  
بعض وجوہات کی بناء پر مسلسل یہ روزے نہ رکھ سکتے تو ان کی کمی پوری کرنے کے لیے  
آپ ﷺ شعبان کے اکثر روزے رکھ لیتے تھے، اور اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی طبرانی  
اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، مگر وہ ضعیف ہونے کی وجہ سے  
ناقابل استدلال ہے۔

ماہ شعبان میں کثرت صیام کی ایک وجہ یہ بھی منقول ہے کہ نبی ﷺ کی  
ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ماہ رمضان میں قضاء ہونے والے روزے  
آپ ﷺ کے موجود ہونے کی وجہ سے مؤخر کرتی رہتیں، حتیٰ کہ شعبان آجاتا تو  
وہ اپنے قضاء شدہ روزے رکھتیں، ساتھ ہی نبی ﷺ بھی نفل روزے رکھ لیا  
کرتے تھے۔ (۳۴)

بہر حال آپ ﷺ ماہ شعبان میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے، اور نبی ﷺ

(۳۳) (فتح الباری و سبل السلام)

(۳۴) (فتح الباری و سبل السلام)



کی ہر سنت مبنی بر حکمت اور کسی نہ کسی برائی کو دور کرنے والی ہے۔ عربوں میں ڈاکہ اور رہزنی عام تھی مگر حرمت والے چار مہینوں میں وہ بھی ان افعال سے رک جاتے تھے اور ماہِ رجب کے حرمت والا مہینہ ہونے کی وجہ سے اس میں وہ رکے رہتے اور شعبان کے شروع ہوتے ہی ادھر ادھر منتشر ہو جاتے تھے، اور اس ماہ کا نام شعبان رکھا جانے کی وجہ دیگر وجوہات کے علاوہ ایک یہ ”منتشر ہو جانا“ بھی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے:

(وَسُمِّيَ شَعْبَانُ لِتَشَعُّبِهِمْ فِي طَلَبِ الْمِيَاهِ أَوْ فِي الْغَارَاتِ  
بَعْدَ أَنْ يَخْرُجَ شَهْرُ رَجَبِ الْحَرَامِ وَهَذَا أَوْلَى مِنَ الَّذِي  
قَبْلَهُ وَقِيلَ فِيهِ غَيْرَ ذَلِكَ). (۳۵)

”ماہ شعبان کا یہ نام ان کے پانی کی طلب یا لڑائی و لوٹ مار وغیرہ کے لیے منتشر ہو جانے کی وجہ سے ہی رکھا گیا، یہ چیزیں وہ رجب کے گزر جانے کے فوراً بعد ہی وہ شروع کر دیتے تھے۔ یہ وجہ تسمیہ سب سے اولیٰ ہے اگرچہ اور بھی کئی ذکر کی گئی ہیں“

نبی ﷺ نے ان کی ان حرکات اور افعالِ قبیحہ کے مقابلے میں روزے رکھنے کی سنت قائم فرمائی، جس میں ترکِ طمع و لالچ، ضبطِ نفس اور فاقہ کشی کی ریاضت ہے جس سے غارت گری، لوٹ مار اور ظلم و تعدی کی عادات خور بخود چھوٹ جاتی ہیں۔  
نصفِ ثانی شعبان کے روزے:

ماہ شعبان کے روزے مطلق ہیں نہ کہ خاص پندرہ شعبان کا روزہ، کیونکہ خاص پندرہ شعبان کے بارے میں پائی جانے والی روایت ضعیف ہے، جس کی قدرے تفصیل بھی ہم تھوڑا آگے چل کر ذکر کریں گے، ان شاء اللہ، اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ شعبان کے بعد نفلی روزے نہیں



رکھنے چاہئیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(اِذَا اَنْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا حَتَّى يَكُوْنَ رَمَضَانُ). (۳۶)

”جب نصف شعبان ہو جائے تو بعد میں روزے نہ رکھو یہاں تک کہ ماہ رمضان داخل نہ ہو جائے“

المِرْقَاة میں ملا علی قاریؒ کے بقول، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ شعبان کے روزے چاہے کتنے ہی فضیلت والے کیوں نہ ہوں مگر ہیں تو نفلی، جبکہ آگے رمضان المبارک کے فرض روزوں کا مہینہ ہے، لہذا اُس کی تیاری کے لیے قوت جمع کی جائے تاکہ کہیں آدمی کمزوری و ضعف کا شکار نہ ہو جائے اور کہیں اُس مہینہ کے فرض روزوں میں قضاء کی نوبت نہ آجائے۔ (۳۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

”شعبان میں کثرتِ صیام کی فضیلت یا نبی ﷺ کے کثرتِ صیام کی سنت اور نصفِ ثانی کے روزوں کی ممانعت میں کوئی تعارض و تضاد نہیں، اور ان دونوں باتوں میں یوں مطابقت پیدا کرنا ممکن ہے کہ یہ ممانعت اُن لوگوں کے لیے ہے جو عموماً سال بھر کے دوران روزے رکھنے کے عادی نہ ہوں، اور کسی وجہ سے شعبان کے نصفِ ثانی میں شروع کر دیں، جبکہ ہر ماہ میں جو شخص ایامِ بیض، ہر ہفتہ میں پیرو جمعرات یا ہر دوسرے دن کا روزہ یعنی صومِ داؤدی رکھنے کا عادی ہو، اُسے ان ایام میں روزے رکھنے کی بھی ممانعت نہیں ہوگی، لہذا دونوں طرح کی احادیث کا تعارض ختم ہو گیا۔“ (۳۸)

(۳۶) (صحیح ابی داؤد: ۲۰۴۹، ترمذی مع التحفہ ۳/۴۳۷، ابن ماجہ: ۱۶۵۱، مصنف عبید

الرزاق ۴/۱۶۱: ۴۳۲۵، صحیح الجامع للالبانی ۱/۶۸)

(۳۷) (المِرْقَاة بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۳/۴۳۷)

(۳۸) (دیکھیے: الفتح ۴/۲۱۵)



## شعبان کے آخری ایک دو دنوں کا روزہ:

اسی طرح ہی ماہ رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی بھی ممانعت

ہے۔ (۳۹)

ان دو یا صرف ایک روزے کی ممانعت بھی اُن لوگوں کے لیے ہے جو رمضان المبارک کی ”سلامی“ کا روزہ سمجھ کر رکھیں۔ اور سال بھر کے عادی روزہ دار کا چونکہ ایسی باتوں یا ”سلامیوں“ سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، لہذا اس کی بات ہی الگ ہے، اور خاص شعبان کی آخری تاریخ کا روزہ محض اس شک کی بناء پر رکھنا کہ شاید چاند ہو گیا ہو مگر کسی وجہ سے نظر نہ آسکا ہو، لہذا ہم اُس دن کا روزہ رکھ لیتے ہیں، اس بات کی بھی نبی ﷺ نے سخت تردید فرمائی ہے، اور شک کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور بعض صحیح احادیث کی رو سے شک کے دن کا روزہ رکھنا نہ صرف ممنوع بلکہ حرام ہے، اور بعض محدثین و فقہاء نے صَوْمُ يَوْمِ الشَّكِّ كَوَالْيَامِ الَّتِي يَحْرُمُ صَوْمُهَا کے ضمن میں ہی ذکر کیا ہے۔ (۴۰)

## شبِ قدر، شبِ براءت یا شبِ نصف شعبان:

پندرہ شعبان کے دن کا بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے، اور رات کو قیام کیا جاتا ہے۔ اور اس رات کو ”شبِ براءت“ کہا جاتا ہے۔ یا ”شبِ قدر“ کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں اور فقہاء و محدثین کی تصریحات میں اس رات کے بارے میں شبِ براءت یا شبِ قدر کے الفاظ کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی آج تک عربوں میں ایسے ناموں سے یہ معروف ہے، یہ نام صرف برصغیر تک ہی ہیں۔

(۳۹) (دیکھیے: بخاری: ۱۹۱۴، مسلم ۱۹۴/۷/۴، صحیح ابی داؤد: ۲۰۴۷، صحیح

الترمذی: ۵۵۱، صحیح نسائی: ۵۲-۲۰۵۲، ابن ماجہ: ۱۶۵۰)

(۴۰) (دیکھیے: مؤطا مالک بحوالہ جامع الاصول ۲۲۶/۷، ۲۳۱، ۲۳۳، صحیح ابی داؤد: ۲۰۴۶،

صحیح نسائی: ۲۰۶۸، صحیح ترمذی: ۵۵۳، ابن ماجہ: ۶۳۵)۔



اور جن بعض روایات میں اس رات کا ذکر آیا ہے وہ بھی نصف شعبان کی رات کے حوالے سے آیا ہے۔ اور ویسے بھی شب قدر یا شب براءت ہے مُراد دراصل وہ لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کر کے اس اُمت کے لیے نظامِ زندگی مہیا کیا اور جادۂ حق کی طرف رہنمائی فرمائی تھی۔ لہذا یہ تعین کرنا ہوگا کہ نزولِ قرآن کی رات کون سی ہے اور کب ہے؟ اور قرآن کس ماہ اور کس رات میں نازل کیا گیا؟ اُس رات کی صراحت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ، آیت: ۱۸۵ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ﴾

”رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو راہ بتلاتا ہے لوگوں کو، اور اس میں کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے مہینے کی تعیین فرمادی ہے جو کہ رمضان المبارک ہے۔ اور پھر یہ کس رات میں نازل کیا گیا؟ اس کا ذکر سورۃ قدر میں موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ☆ ﴾

”ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا“

اور پھر یہ شب قدر صحیح احادیث کی رو سے ماہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں اور پھر اُن میں سے بھی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اور نزولِ قرآن کی اس رات کو سورۃ دُخان کے شروع میں شبِ مبارک کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ حَمْدٌ ☆ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ☆ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ



إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ☆ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ☆ أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا

”حاء میم۔ قسم ہے اس کتابِ مبین کی، ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ اور ہم لوگوں کو (اپنے عذاب سے) متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم لے کر“

یعنی سال بھر میں جو بڑے بڑے کام سرانجام پانے ہوتے ہیں۔ اُن کا آخری فیصلہ اللہ کے حکم سے کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ پیدائش و اموات، خوشی و غم اور رزق و فقر کے جو بھی فیصلے ہوتے ہیں وہ اُسی مبارک شب میں ہوتے ہیں۔ جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور وہ شبِ مبارک، شبِ قدر، رمضان میں ہے نہ کہ ماہِ شعبان میں۔ اور شبِ فارسی ترجمہ ہے لیلۃ کا اور قدر تو ہر دو زبانوں میں مشترک ہے، لہذا ”لیلۃ القدر“ کو فارسی میں ”شبِ قدر“ کہا جاتا ہے۔ اور یہ نام اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو دیا ہے۔

## تفسیر لیلۃ مبارکۃ

سورہ دخان کی مذکورہ آیت میں جو ﴿لَيْلَةَ مُبَارَكَةٍ﴾ کے الفاظ آئے ہیں ان سے بعض لوگوں نے پندرہ شعبان کی رات مراد لی ہے۔ لہذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سورہ دخان کی مذکورہ آیت کی تفسیر قدرے تفصیل سے ذکر کر دی جائے۔

**تفسیر خازن :** چنانچہ معالم التنزیل المعروف تفسیر خازن میں ہے :

( قَالَ قَتَادَةُ وَ ابْنُ زَيْدٍ هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَنْزَلَ اللَّهُ الْقُرْآنَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ )

”حضرت قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے وہ



لیلة القدر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کیا۔  
اور آگے لکھا ہے :

(قِيلَ: هِيَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ) . (۴۱)

”یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے“

اور یہاں یہ بات یاد رہے کہ اہل علم کے نزدیک جو بات صحیح تر ہو اُسے پہلے معروف کے صیغے سے ذکر کر دیا جاتا ہے، اور جو غیر معتبر اقوال ہوں انہیں مجہول کے صیغہ ”قِيلَ“ کے بعد لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے اور ایسے ہی دیگر مقامات اور دیگر مسائل میں بھی ہوتا ہے۔ لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ امام خازن کے نزدیک حضرت ابوقادہؓ اور ابن زیدؓ کی تفسیر ہی زیادہ معتبر اور صحیح تر ہے۔ اور ان کے نزدیک یہاں لیلة مبارکۃ سے رمضان المبارک والی لیلة القدر ہی مراد ہے نہ کہ نصف شعبان والی رات اور یہ دوسرا قول ضعیف و مرجوح ہے۔

**تفسیر جامع البیان :** تفسیر جامع البیان میں جمہور اہل علم کا مسلک یہی ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلة القدر ہے۔ البتہ مرجوح قول ذکر کرنے کے لئے یہ بھی لکھا ہے :

(وَعَنْ بَعْضٍ: هِيَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ) . (۴۲)

”بعض کے نزدیک اس سے نصف شعبان کی رات مراد ہے“

**تفسیر جلالین :** دوسری مختصر و جامع تفسیر جلالین میں تفسیر المدارك کے حوالے سے لکھا ہے :

(هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ) .

”اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلة القدر ہے، یا پھر نصف شعبان والی رات“



اور آگے اس لیلة مبارکة کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات میں قرآن کریم ساتویں آسمان [لوح محفوظ] سے آسمان دنیا پر نازل ہوا، اور پھر شعبان و رمضان کی دونوں راتوں کے بارے میں لکھا ہے :

(وَالْجُمُھُورُ عَلَى الْأَوَّلِ) (۴۳)

”جمہور اہل علم کے نزدیک اس مبارک رات سے پہلی (یعنی رمضان المبارک والی لیلة القدر) ہی مراد ہے“۔

**تفسیر فتح القدیر:** معروف محدث و مجتہد اور مفسر قرآن امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

(الْلَّیْلَةُ الْمُبَارَكَةُ، لَّیْلَةُ الْقَدْرِ، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَّیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ☆ وَلَهَا أَرْبَعَةُ أَسْمَاءٍ، اللَّیْلَةُ الْمُبَارَكَةُ، لَّیْلَةُ الْبَرَاءَةِ لَّیْلَةُ الصَّكِّ، وَ لَّیْلَةُ الْقَدْرِ)۔

”اللیلۃ المبارکہ سے مراد لیلة القدر ہے، جیسا کہ ارشاد الہی: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَّیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ☆ میں مذکور ہے، اور اس کے چار نام ہیں: لیلة المبارکہ، لیلة البراءة، لیلة الصک [یعنی قراردادوں کی رات] اور لیلة القدر“۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :

”عکرمہؒ نے اس سے نصف شعبان کی رات مراد لی ہے، مگر حق یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے کہ اس سے لیلة القدر ہی مراد ہے، کیونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مجمل ذکر فرمایا ہے، مگر سورہ بقرہ کی آیت: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ میں واضح کر دیا ہے۔ اسی طرح سورہ قدر: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَّیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ☆ میں بھی وضاحت موجود ہے۔ اور اس واضح بیان کے بعد کوئی وجہ ہی نہیں رہ جاتی



کہ اختلاف کیا جائے۔ اور نہ ہی کسی شک و شبہ کی گنجائش رہ حاتی ہے۔“ (۴۴)

**تفسیر ابن عباسؓ:** ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس رات سے رمضان والی لیلة القدر ہی مراد ہے۔

**تفسیر کبیر:** امام رازی نے لیلة مبارکہ سے لیلة القدر مراد ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

(الْقَائِلُونَ بِأَنَّ الْمُرَادَ مِنَ اللَّيْلَةِ الْمُبَارَكَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي هَذِهِ  
الآيَةِ هِيَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَمَا رَأَيْتُ لَهُمْ دَلِيلًا يُعَوِّلُ  
عَلَيْهِ) (۴۵)

”جو لوگ کہتے ہیں کہ [سورہ دخان] کی اس مذکورہ آیت میں لیلة مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے، ان کے پاس کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے“

**تفسیر ابن کثیر:** اسی طرح امام ابن کثیر نے بھی اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں جمہور کے مسلک کی ہی تائید کی ہے کہ اس رات سے مراد رمضان المبارک والی لیلة القدر ہی ہے، اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

(مَنْ قَالَ أَنَّهَا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ أَبْعَدَ النَّجْعَةَ فَإِنَّ  
نَصَّ الْقُرْآنِ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ) (۴۶)

”جو شخص اس رات کو پندرہ شعبان کی رات کہے اس کی بات ”دور کی کوڑی“ یا بعید از حقیقت ہے۔ کیونکہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہے۔“

(۴۴) (فتح القدیر ۵/۴۷۵، تفسیر آیت البقرہ ۱۸۵ اور سورۃ القدر)

(۴۵) (التفسیر الکبیر للامام الرازی)

(۴۶) (ابن کثیر، مختصر الرفاعی ۱/۱۹۳ طبع اول)



**احکام القرآن :** اور قاضی ابوبکر ابن العربی، احکام القرآن میں رقمطراز ہیں:

(جَمْهُورُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ وَ مِنْهُمْ مَنْ قَالَ :  
 إِنَّهَا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَهُوَ بَاطِلٌ ، لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى  
 قَالَ فِي كِتَابِهِ الصَّادِقِ الْقَاطِعِ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ  
 فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ فَنَصَّ عَلَى أَنَّ مِيقَاتِ نَزُولِهِ رَمَضَانَ ، ثُمَّ عَبَّرَ  
 عَنْ زَمَانِيَةِ اللَّيْلِ هُنَا بِقَوْلِهِ : ﴿فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ﴾ ، وَ لَيْسَ  
 فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَدِيثٌ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لَا فِي  
 فَضْلِهَا وَلَا فِي نَسْخِ الْأَجَالِ فِيهَا فَلَا تَلَفُّتُوا إِلَيْهَا ) . (۴۷)

”جمہور علماء کے نزدیک اس سے رمضان کی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اور  
 پندرہ شعبان والا قول باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صادق اور  
 قاطع نزاع کتاب [قرآن کریم] میں فرمایا ہے: ”رمضان المبارک ہی  
 وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا“۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے نص  
 مہینہ فرمادی کہ نزول قرآن کا مہینہ ماہ رمضان ہے۔ پھر یہاں اُس رات  
 کے وقت کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا کہ ”اس مبارک رات میں“ اور  
 نصف شعبان والی رات کی فضیلت اور نسخ آجال یا تقدیر کے بارے  
 میں کوئی قابل اعتبار و اعتماد حدیث نہیں ہے۔“

ان تفسیری حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سورہ دخان کی آیت ۳ میں

مذکور رات رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے، نہ کہ ۱۵ شعبان والی رات

اور تفسیری کتب کی طرح ہی شروح حدیث میں بھی یہی بات کہی گئی

ہے۔ مثلاً:

معروف حنفی محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں

(۴۷) (احکام القرآن ۱۶۹/۴، الابداع فی مضار الابتداع ص: ۲۹۱ و فوائد سلفیۃ للآستاذ محمد

عبدۃ الفلاح ) .



لکھتے ہیں :

”بعض اسلاف کا خیال ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ لیکن یہ قول نصوص قرآن کے مخالف ہے، کیونکہ قرآن کا نزول رمضان میں لیلۃ القدر میں ہے۔ لہذا اللیلۃ المبارکہ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اس طرح آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے“۔ (۴۸)

علامہ عبدالرحمن مبارکپوری تحفۃ الأحوذی شرح جامع ترمذی میں رقمطراز ہیں:

”بے شک آیت ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ﴾ میں لیلۃ مبارکہ سے مراد جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر ہے، بعض اُسے نصف شعبان کی رات سمجھتے ہیں مگر یہ قول مرجوح و ضعیف ہے“۔ (۴۹)

## شبِ براءت منانے کے چھ طریقے

سابقہ تفصیلات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کے یہ مروجہ نام، شبِ قدر یا شبِ براءت، کتب تفسیر و حدیث میں نہیں پائے جاتے، اور اس رات کا جو ذکر آیا ہے وہ صرف نصف شعبان کی رات کے حوالہ سے ہے، اور جہاں تک اس رات کو منانے کا تعلق ہے، تو ہمارے یہاں اس کے پانچ مختلف انداز اور طریقے مروج ہیں:

اُس شام کو اچھے اور عمدہ کھانے یا حلوے مانڈے تیار کیے جاتے ہیں اور انہیں خود تیار کرنے والے ہی مل بیٹھ کر مزے لے لے کر کھا جاتے ہیں۔

آتش بازی اور چراغاں کیا جاتا ہے، خوب گولہ بارود چلایا اور فضول خرچی کی جاتی ہے۔

بعض لوگ اس رات کے استقبال کے لیے گھروں کو صاف کرتے اور خوب

(۴۸) (بحوالہ تحفۃ الأحوذی ۲/۴۴۲)

(۴۹) (التحفۃ ابضاً)



سجاتے ہیں، اور یہ سب اس عقیدہ کے پیش نظر کیا جاتا ہے کہ اس رات فوت شدگان کی روحيں واپس آتی ہیں

بعض جگہوں پر لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور بعض اوقات اجتماعی شکل میں قبرستان کی زیارت اور دعاء کے لیے جاتے ہیں اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے۔

اس رات کو ذکر و عبادت کی جاتی ہے۔



### پہلا طریقہ :

حلوے مانڈے پکانا کھانا:

جہاں تک اس پہلے طریقہ یعنی اچھے اور عمدہ کھانے اور حلوے مانڈے تیار کرنے اور کھانے کا تعلق ہے، تو یہ اسلامی تہواروں کی علامت سمجھے جاتے ہیں، جبکہ نصف شعبان کی رات کو سرے سے اسلامی تہوار کہا ہی نہیں جاسکتا، اور اسے عیدین یا حج کی شکل دینا غلط ہے، اور اگر کوئی کہے کہ ہم تہوار سمجھ کر ایسا نہیں کرتے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اچھے کھانے پکانا کسی بھی دن جائز نہ ہو؟ اس سلسلہ میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ بلاشبہ اسراف و تبذیر یعنی فضول خرچی کے ضمن میں نہ آنے والے کھانے تیار کرنے میں واقعی کوئی حرج نہیں، لیکن اگر یہ ہر روز یا اکثر ایام میں معمول ہو، اور اگر یہ صرف پندرہ شعبان کی شام کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو معاملہ یقیناً مشکوک سا ہو جاتا ہے، اور مشکوک سے احتراز ہی مؤمن کی شان ہے۔

اب ہر شخص اپنے عمل کا جائزہ خود لے سکتا ہے کہ وہ یہ حلوے تہوار سمجھ کر تیار کرتا ہے یا معمول کے مطابق ہی تیار کیے جاتے ہیں؟ ویسے بظاہر چرب لسانی سے چاہے کوئی کچھ بھی ثابت کرتا پھرے لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ تہوار ہی شمار کیا جاتا ہے، اور بعض حلوہ خور مذہبی پیشواؤں نے یہ رسم اپنے مخصوص مفادات کے لیے جاری کی ہے، جو اگر اسی تہوار کے نظریہ سے معمول بہ رہے تو پھر یہ ہرگز جائز نہیں ہے۔



اور ایسی رسوم کو جاری کرنے کے لیے بڑے عجیب و غریب ثبوت بھی دیئے جاتے ہیں اور اس رات کو حلوہ پکانا سنت قرار دیا جاتا ہے، ایسے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”ما ثبت بالسنة“ کے (ص: ۲۱۴) پر فضائل شعبان کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اس رات سید الشہداء حضرت امیر حمزہ ؑ شہید ہوئے تھے اور اسی رات رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے حلوہ تناول فرمایا تھا، یہ بالکل لغو اور بے اصل بات ہے، کیونکہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ غزوہٴ اُحد ماہ شوال ۳ھ میں واقع ہوا تھا نہ کہ شعبان میں، لہذا یہ عقیدہ رکھنا کہ آج حلوہ ہی واجب اور ضروری ہے، بدعت ہے، بعض لوگ مسور اور چنے کی دال پکانے کا اہتمام کرتے ہیں، یہ بھی حلوہ کی طرح ہی ہے۔

بس صحیح بات یہ ہے کہ حسب معمول کھانا پکانا چاہیئے، اور اس رات کو تہوار نہیں بنانا چاہیئے۔

معروف حنفی عالم علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا اس رات کے حلوے کے بارے میں فتویٰ ہے کہ اس کے متعلق کوئی نص نفی یا اثبات میں وارد نہیں، لہذا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازم ہوگی، ورنہ کوئی حرج نہیں۔ (۵۰)

ایسے ہی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں فرمایا ہے:

(وَكَذَلِكَ اتِّخَاذُهُ مَوْسِمًا تُصْنَعُ فِيهِ الْأَطْعِمَةُ وَتُظْهَرُ فِيهِ الزَّيْنَةُ هُوَ مِنَ الْمَوَاسِمِ الْمُحَدَّثَةِ الَّتِي لَا أَصْلَ لَهَا). (۵۱)



”اور اسی پندہ شعبان کی رات کو تہوار منانا، کھانے پکانا اور زیب و زینت کا اظہار کرنا بھی ہے، اور یہ سب بدعات کے قبیل سے ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے“

### دوسرا طریقہ :

چراغاں و آتش بازی کرنا، دین کو کھیل تماشا بنانا:

شبِ براءت کے منانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس رات بڑے زور و شور سے آتش بازی کی جاتی ہے، گولہ بارود چلایا جاتا ہے، پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں موم بتیاں اور شمعیں جلا کر چراغاں کیا جاتا ہے، اس کا آغاز اور اسبابِ آغاز حتیٰ کہ اس کے جانی و مالی نقصانات بالتحصیل جشنِ معراج کے ضمن میں ذکر ہو چکے ہیں، اور اُس پر مستزاد یہ کہ آتش بازی کے ساتھ کسی دن یا تہوار منانے کا اسلام میں سرے سے کوئی تصور ہی نہیں، بلکہ شرعاً یہ افعال فتنج و مذموم ہیں، کیونکہ ضرورت سے زیادہ کسی جگہ بھی روشنی کرنا اور لاتعداد شمعیں جلانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کھلا اسراف و تبذیر اور صریح فضول خرچی ہے، جسے اللہ نے قرآنِ کریم میں ممنوع قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۲۶-۲۷ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَلَا تَبْذِرْ رِبْذِيرًا﴾ إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿﴾

”اور بے جا فضول خرچی نہ کرو، بیشک بے جا مال اڑانے والے شیطان کے بھائی [دوست و تابع] ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔“

یہاں اسراف و تبذیر یا فضول خرچی کو ایک شیطانی فعل اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی اور پیروکار کہا گیا ہے، کیونکہ جو شخص اپنے مالِ حقیقی کے دیئے ہوئے مال کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے، وہ شیطان ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔



حضرت محدث دہلویؒ اپنے تفسیری حواشی موضح القرآن میں فرماتے ہیں:

”یعنی مال بڑی نعمت ہے اللہ کی، جس سے خاطر جمع ہو عبادت میں اور درجے بڑھیں بہشت میں، اس کو بے جا اڑانا شکری ہے۔“

جس طرح تہذیر کی قباحت و ممانعت آئی ہے، ایسے ہی قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اسراف کی مذمت کی گئی ہے جیسا کہ سورہ انعام، آیت: ۱۴۱ میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ☆

”اور اپنے مال کو بے جا مت اڑاؤ، کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ بے جا مال اڑانے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔“

سورہ اعراف کی آیت: ۳۱ میں فرمایا:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ☆

”کھاؤ اور پیو، اور اڑاؤ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

سورہ فرقان، آیت: ۶۷ میں مومنوں اور اللہ والوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ ☆

”اور وہ لوگ بھی اللہ کے محبوب بندے ہیں جو خرچ کرتے وقت بیکار اپنا پیسہ نہیں اڑاتے اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں کہ جائز ضرورت میں بھی نہ اٹھائیں اور ان کے بیچ بیچ میں ان کا خرچ رہتا ہے۔“

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ تہذیر اور اسراف میں فرق ہے، حلال و جائز مقام پر حد اعتدال اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے،



جبکہ حرام و ناجائز مقام پر خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے اور اس کے لیے قلیل و کثیر کی کوئی حد نہیں بلکہ اگر ایک پیسہ بھی خرچ کرے گا تو حرام ہوگا اور ایسا شخص شیطان کا بھائی اور پیروکار ٹھہرے گا۔

علاوہ ازیں یہ آتش بازی و چراغاں دین حق کے ساتھ ایک صریح اور بھونڈا مذاق ہے، اور دشمنان دین کی سازشی کاروائیوں کو عملی جامہ پہنا کر اُن سے تعاون اور اپنے آپ کو فریب دینے کے مترادف ہے، اور اپنے دین کو لہو و لعب یا کھیل تماشا بنادینا عذابِ الہی کو آواز دینے والی بات ہے۔ قرآن کریم پڑھ کر دیکھیں کہ پہلی قوموں میں سے جن اقوام نے اپنے دین کو تماشا بنایا اُن کا کیا انجام ہوا؟ اور انہیں کن کن عذابوں میں مبتلا کیا گیا؟ ہمیں اُن قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے ورنہ عذابِ الہی کوئی دور نہیں ہے۔

اس سلسلہ سورۃ انعام، آیت: ۷۰ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَذُرِّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكَرَ بِهِ أَنْ تَسْأَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا أُولَئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ ☆

”چھوڑ ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیے ہوئے ہے، ہاں! مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہیں کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے اور اگر گرفتار بھی اس حال میں ہو کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لیے نہ ہو، اور اگر وہ ہر ممکن



چیز بھی فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے، کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی کے نتیجہ میں پکڑے جائیں گے، ان کو اپنے انکار حق کے معاوضہ میں کھولتا ہوا پینے کو پانی اور دردناک عذاب بھگتے کو ملے گا۔“

اور سورہ اعراف، آیت: ۵۰-۵۱ میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ☆ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ☆﴾

”اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو، وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں ان منکرین حق پر حرام کر دی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنا لیا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔“

ان آیات میں اقوام ماضی اور امم سابقہ کو جو وعیدیں سنائی گئی ہیں، ہمیں ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور اپنے دین کو آتش بازی اور چراغاں وغیرہ سے کھیل تماشا نہیں بنالینا چاہیئے



## تیسرا طریقہ:

گھروں کی صفائی اور فوت شدگان کی روحوں کی آمد کا نظریہ:

پندرہ شعبان کی رات کو منانے کا تیسرا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ اس رات کے استقبال کے لئے گھروں کو صاف کیا جاتا ہے، اور صفائی ستھرائی کے ساتھ ساتھ سجاوٹ کی جاتی ہے، اور اس میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ فوت شدگان کی روحوں واپس آتی ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ صفائی ستھرائی اپنے بدن کی ہو، لباس و پوشاک کی ہو، یا گھر کی، یہ سب چیزیں اسلام میں مرغوب و محبوب ہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیمات میں تو اسے جزو ایمان قرار دیا گیا ہے، اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے حتیٰ کہ ایک صحیح حدیث شریف کا جزو اول تو زبان زد خاص و عام ہے، جس میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(الطَّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ). (۵۲)

”طہارت و پاکیزگی ایمان کا ایک حصہ ہے۔“

اس حدیث کا اطلاق مسلمانوں کی پوری زندگی کے ہر ماہ و سال اور شب و روز پر ہوتا ہے، تو پھر اس حکم کو صرف ایک رات کے ساتھ خاص کیوں کیا جائے؟ اور پھر جمعہ و عیدین کے دنوں میں اللہ و رسول اللہ ﷺ کو بطور خاص طہارت و پاکیزگی مطلوب تھی تو اُس کا الگ سے حکم موجود ہے، لیکن اس رات کے استقبال کے لئے اس فعل کی بطور خاص کوئی دلیل نہیں، ہاں اگر مطلق حکم طہارت پر عمل پیرا ہونے کی مسلسل توفیق حاصل ہو تو حسب معمول اس رات میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر تہوار سمجھ کر اور روحوں کی آمد کے عقیدہ سے ہو تو پھر جب یہ دونوں ہی چیزیں بے دلیل ہیں تو ہمارا یہ فعل بھی کسی تردید کا محتاج نہیں رہتا۔

پندرہ شعبان کی شام کو گھروں کی صفائی ستھرائی اور سجاوٹ کی تہہ میں کارفرما

(۵۲) (مختصر مسلم: ۱۲۰، مسند احمد ۵/۳۳۲، صحیح ترمذی ۹۱/۲۷ صحیح الجامع



نظریہ، کہ اس رات فوت شدگان کی روحوں واپس آتی ہیں، یہ عقیدہ سراسر باطل ہے، قرآن و سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، مرنے کے بعد کسی کی روح کا واپس آنا نہ شعبان کی اس رات میں ممکن ہے اور نہ کسی دوسرے دن میں، ہمارے برصغیر کے معاشرے میں مخصوص حلوہ کھانے اور کھلانے کے شوقین بعض مذہبی پیشواؤں نے تو اپنے مخصوص مفادات کے لیے روحوں کی آمد و رفت کا باقاعدہ ایک چارٹ مہیا کر رکھا ہے جس کے مطابق وہ عوام سے فوت شدگان کے نام پر کھاتے، پیتے اور کپڑے کی شکل میں نذرانے وصول کرتے رہتے ہیں۔

اُن حضرات کے مطابق تیج [یعنی تیسرے] ساتے [یعنی ساتویں] اور دسویں دن حتی کہ میت کی روح چالیس دن تک مسلسل اپنے گھر آتی رہتی ہے، اور پھر مومنین کی روحوں ہر ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعرات کو اور ہر سال میں ایک رات یعنی شبِ براءت [۱۵ شعبان] کو آتی ہیں اور ان کا ایک سالانہ ”ٹور“ شاید برسی کے دن ہوتا ہوگا۔

یہ نظریہ و عقیدہ اہل سنت کے متفقہ عقائد کی رو سے صحیح نہیں بلکہ باطل ہے، کیونکہ فوت شدگان برزخی زندگی سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور عالم برزخ کا عالم دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا، اور کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ اس رات روحوں اپنے گھروں میں واپس آتی ہیں بلکہ قرآن کریم، سورہ مومنون، آیت: ۹۹-۱۰۰ میں تو اس کی واضح تردید موجود ہے۔ بد عملی میں مبتلا لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے افعال سے باز نہ آئیں گے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ☆

لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ☆﴾

”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کر دے گا کہ اے میرے رب! مجھے اُس دنیا میں واپس بھیج دے، اُمید



ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا جسے چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے، اب ان سب مرنے والوں کے پیچھے برزخ [پردہ] حائل ہے، جو دوسری زندگی کے لیے اٹھائے جانے کے دن [قیامت] تک رہے گا۔

بعض لوگ تیسویں پارے کی سورۃ القدر کے الفاظ:

﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا﴾

سے دھوکہ کھاتے یا مغالطہ دیتے ہیں اور ان الفاظ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ”اس رات (یعنی لیلۃ القدر) میں فرشتے اور روحیں اُترتی ہیں“، اور یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس سے روحوں کا اترنا ہی مراد ہے، حالانکہ اول تو وہاں مذکورہ رات سے مراد رمضان المبارک والی رات [لیلۃ القدر] ہے نہ کہ شعبان والی، دوسرے یہ کہ ان اور ایسے ہی دیگر الفاظ میں رُوح سے مراد فوت شدگان کی روحیں نہیں بلکہ رُوح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ (۵۳)

اور پھر اسی ایک آیت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو رُوح سے تعبیر نہیں کیا گیا بلکہ قرآن کریم کے دیگر متعدد مقامات پر بھی انہیں رُوح الامین اور رُوح القدس کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ بقرہ، آیت: ۸۷ اور ۲۵۳ میں رُوح القدس سے مراد جبرائیل ہے یا وحی الہی کا علم ہے اور بعض کے نزدیک خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی رُوح پاک مراد ہے جسے اللہ نے قدسی صفات بنایا تھا، پھر سورۃ مائدہ، آیت: ۱۱۰ میں بھی یہی بات مذکور ہے، سورۃ نحل کی آیت: ۲ میں رُوح سے مراد رُوح نبوت یا علم وحی ہے، فوت شدگان کی روحیں نہیں، سورۃ نحل ہی کی آیت: ۱۰۲ میں رُوح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، سورۃ شعراء، آیت: ۱۹۳، سورۃ معارج، آیت: ۴ اور سورۃ نباء، آیت: ۳۸ میں رُوح الامین اور رُوح سے مراد بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔



الغرض اوپر سے نیچے اترنے اور نیچے سے اوپر چڑھنے کے حوالہ سے قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ”روح“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام ہی مراد ہیں نہ کہ فوت شدگان کی روہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شعبان کی شام کو روحوں کی آمد اور ان کے استقبال کی نیت سے جھاڑ پونچھ، صفائی ستھرائی اور تزئین و سجاوٹ کرنا محض ایک خود ساختہ عقیدہ ہے، جسے قرآن و سنت سے کوئی دلیل نصیب نہیں، لیکن اگر کوئی بلکہ عموماً لوگ روزانہ ہی صفائی کرتے ہیں، وہ حسب معمول ہی اس شام بھی کرتے ہیں تو پھر کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایک مرغوب فعل ہے۔

### چوتھا طریقہ :

#### اجتماعی شکل میں زیارتِ قبور :

نصف شعبان کی رات کو منانے کا چوتھا طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور اجتماعی شکل میں قبرستان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یوں تو کسی بھی دن یا کسی بھی رات مسنون طریقہ سے زیارت جائز ہے، بلکہ نبی ﷺ نے تو اس کی ترغیب دلائی ہے کہ یہ فکرِ موت و ذکرِ آخرت میں معاون ہوتی ہے، اور زیارت کے وقت جو دعاء ہے، وہ بھی صحیح احادیث میں ثابت ہے، اور زیارتِ قبور کی تین قسمیں ہیں، جن میں سے شرکیہ اور بدعیہ کو چھوڑ کر صرف شرعیہ کے پیش نظر محض موقع بہ موقع صرف اپنے گاؤں کے قریبی قبرستان میں جایا جاسکتا ہے، لیکن وہ بھی صرف انفرادی شکل میں ہو تو مفید مطلب ہے اور یہ زیادہ عبرت انگیز بھی ہوگی، اور جب بہت سارے لوگ مل کر قبرستان میں جائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہیں وہ عبرت حاصل نہیں ہو سکتی جو اکیلے شخص کے لئے ممکن ہے، اور نبی اکرم ﷺ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ اس غرض سے جو زیارت



قبر کے لئے تشریف لے گئے تو اکیلے تھے، ”باجماعت“ نہیں تھے۔

نبی ﷺ تو زیارت کے لئے اکیلے جائیں اور ہم ”باجماعت“ وہاں جانکلیں تو یہ اتباع نہیں ابتداء ہے، سنت نہیں بدعت ہے، باعثِ ثواب نہیں موجبِ عذاب ہے، اور پھر نصف شعبان کی اس رات کی فضیلت کے پیش نظر بطور خاص زیارت کے لئے جانا کسی صحیح حدیث سے ثابت بھی نہیں، اور اس سلسلہ میں کی جو روایت بیان کی جاتی ہے، محدثین نے اس کی سند پر کلام کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، خود امام ترمذی نے اس روایت کے بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ وہ اس روایت کو ضعیف کہتے تھے، اور اس روایت کی سند میں پائے جانے والے دو جگہوں کے انقطاع کو بیان کیا ہے کہ اس کی سند میں حجاج اور یحییٰ کے مابین اور پھر یحییٰ اور عروہ کے مابین بھی انقطاع ہے کیونکہ یحییٰ نے عروہ سے نہیں سنا، اور حجاج نے یحییٰ سے نہیں سنا۔ (۵۴)

نیز اس روایت کی سند میں مذکور ایک شخص حجاج بن ارطاة ہے جو کہ مدلس شمار کیا گیا ہے، اور کوئی مدلس راوی اگر کسی روایت کو بیان کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں نے فلاں سے سنا، تو وہ روایت مقبول ہوتی ہے ورنہ نہیں، جبکہ اس روایت میں حجاج نے ایسا بھی نہیں کہا، بلکہ یہ تحدیث کی بجائے عنعنه (عَنْ فُلَانٍ ... کے انداز) سے مروی ہے، امام بخاری نے بھی اسے غالباً انہی دونوں وجوہات کی بناء پر ضعیف قرار دیا ہے۔ (۵۵)

لہذا محض اس روایت کو بنیاد بنا کر پندرہ شعبان کی رات جوق در جوق اجتماعی شکل میں اور ”باجماعت“ زیارتِ قبر کے لئے جانا درست نہیں ہوگا۔ البتہ

(۵۴) (ترمذی مع التحفہ ۳/۴۳۱، ضعیف الترمذی: ۱۱۹، ضعیف ابن ماجہ: ۲۹۵، ضعیف

الجامع: ۱۷۶۱، مشکوٰۃ: ۱۲۹۹، مسند احمد: ۶/۲۳۸)۔

(۵۵) (بحوالہ الصحیحۃ للالبانی ۳/۱۳۸، تحقیق المشکوٰۃ ۱/۴۰۶)



حسب معمول اگر کوئی شخص مشروع طریقہ سے زیارت کے لیے جاتا ہے تو اُس کا معاملہ دوسرا ہے۔

سابقہ تفصیلات سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ کتنے ہی اُمور ایسے ہیں جو فی نفسہ جائز تو ہیں مگر ہم لوگوں نے انہیں اپنی اصل حالت میں نہیں رہنے دیا، بلکہ ان پر اپنا رنگ چڑھا لیا ہے جس کی وجہ سے وہ ”مسنونات“ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے دائرہ ”بدعات“ میں شمار ہونے لگے ہیں۔ قابل توجہ بات صرف اتنی سی ہے کہ دین جس طرح نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اُسے اسی طرح ہی اختیار کیا جائے تو ثواب ہوگا، اور اگر اپنی طرف سے اس میں سرِ مُو بھی فرق اور تصرف کریں گے تو معاملہ بگڑ جائے گا۔

## پانچواں طریقہ :

### نصف شعبان کا روزہ :

پندرہ شعبان کی رات المعروف ”شبِ براءت“ کو منانے کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اُس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے اور رات کو ذکر و عبادت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے اور سب سے زیادہ معروف و معمول یہ طریقہ یہی ہے، لہذا آئیے پہلے دیکھیں کہ اُس دن کا جو روزہ رکھا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں پہلے وہ باتیں مستحضر کر لیں جو ہم نے اس موضوع کو شروع کرتے وقت ذکر کی تھیں کہ نبی ﷺ بلا تخصیص یوم، اس ماہ شعبان کے بکثرت روزے رکھا کرتے تھے، اور جو شخص صومِ داؤدی [یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار] کا عادی ہو، وہ اس ماہ کے حسب معمول روزے رکھ سکتا ہے، اس میں چاہے پندرہ شعبان کا روزہ بھی ہو، چاہے رمضان سے ایک یا دو دن قبل کا روزہ بھی کیوں نہ آجائے اور وہ شخص جو ہر ماہ ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتا آ رہا ہے وہ بھی بلا اختلاف اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ صرف پندرہ شعبان کا روزہ نہیں



رکھے گا بلکہ ساتھ ہی تیرہ اور چودہ کا بھی رکھے گا، اور وہ صرف ماہ شعبان میں ہی ایسا نہیں کر رہا، بلکہ وہ سال بھر کے تمام مہینوں میں مسلسل یہی عمل کرتا آرہا ہے۔

اور اسی طرح ہی جو شخص ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتا آیا ہے وہ پندرہ شعبان کو پیر یا جمعرات کا دن آجانے کی شکل میں روزہ رکھ سکتا ہے، اسے کوئی ممانعت نہیں، اور پیر یا جمعرات کا دن رمضان سے ایک یا دو دن قبل آجائے تو بھی اسے حسب معمول اس کا روزہ رکھ لینے کی اجازت ہے، ورنہ پندرہ سے لے کر آخر شعبان تک غیر عادی اور عام آدمی کو روزہ رکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اور وہ حدیث حوالہ جات و ترجمہ سمیت متعلقہ مقام پر ذکر کی جا چکی ہے۔

من گھڑت روایت :

خاص پندرہ شعبان کا روزہ رکھنے کے لیے بھی بعض روایات بیان کی جاتی ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ پندرہ شعبان کا روزہ ثابت ہے جبکہ ایک روایت اس قدر ضعیف و کمزور ہے کہ اس سے استدلال کرنا ہی جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ محدث برصغیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں: (لَمْ أَجِدْ فِي صَوْمِ يَوْمِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَدِيثًا صَحِيحًا مَرْفُوعًا)

”نصف شعبان کے دن کے روزے کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح سند

والی اور نبی ﷺ تک پہنچنے والی مرفوع حدیث مجھے نہیں ملی۔“ (۵۶)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

(فَأَمَّا صَوْمُ يَوْمِ النِّصْفِ مُفْرَدًا فَلَا أَصْلَ لَهُ بَلْ إِفْرَادُهُ مَكْرُوءٌ).

”صرف اکیلے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا لا اصل ہے، بلکہ یہ مکروہ ہے“ (۵۷)

(۵۶) (تحفة الاحوذی ۳/۴۴۴)

(۵۷) (اقتضاء الصراط المستقیم ص: ۶۲۸)



امام سیوطی و امام شوکانیؒ نے مذکورہ حدیث کو موضوع و من گھڑت قرار

دیا ہے۔ (۵۸)

**پہلی روایت:** اور جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ حضرت علیؓ سے مروی، اور ابن ماجہ میں ہے، اس میں ہے:

((إِذَا كَانَ النِّصْفُ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِيهَا لِعُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ، أَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهُ، أَلَا مِنْ مُبْتَلًى فَأَعَافِيهِ أَلَا كَذَا وَكَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ)).

”جب نصف شعبان کی رات آئے تو اس رات کو قیام کرو اور اس کے دن کو روزہ رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ اس رات غروبِ آفتاب کے وقت آسمان دنیا پر اتر آتا ہے اور فرماتا ہے: کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ میں اسے رزق سے نواز دوں؟ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اسے عافیت بخش دوں؟ کیا کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے کہ اس کی حاجت پوری کر دوں؟ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔“ (۵۹)

علامہ البانی نے اسے ضعیف ہی نہیں بلکہ من گھڑت کہا ہے۔ (۶۰)

اس حدیث کو حافظ منذریؒ نے الترغیب و الترہیب میں رُوِی کے صیغہ

تمر یض و تضعیف سے ذکر کیا ہے۔

مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجہ میں علامہ بوسیریؒ نے کہا ہے:

(۵۸) (اللائی المصنوعہ للسیوطی ۶۰/۲، الفوائد المجموعۃ للشوکانی ص: ۵۰، ۵۱)

(۵۹) (ابن ماجہ: ۱۳۸۸)

(۶۰) (ضعیف الجامع: ۵۴، تحقیق المشکوٰۃ ۴۱۰/۱، ضعیف ابن ماجہ: ۲۹۳)



(إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ لِّضَعْفِ ابْنِ أَبِي سَبْرَةَ وَاسْمُهُ أَبُو بَكْرٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ أَبِي سَبْرَةَ).

”اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کے راوی میں سے ایک راوی ابن ابی سبرۃ ضعیف ہے جس کا پورا نام ابو بکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سبرۃ ہے۔“

امام احمد بن حنبل اور امام ابن معین رحمہما اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ روایات وضع کیا کرتا تھا یعنی من گھڑت باتوں کو حدیث کے نام سے بیان کیا کرتا تھا۔ (۶۱)

علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

”اس کی سند میں ایک راوی ابو بکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سبرۃ قرشی عامری مدنی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام عبد اللہ ہے اور محمد بھی کہا گیا ہے اور کبھی وہ اپنے دادا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: (رَمَوْهُ بِالْوَضْعِ) اس پر محدثین نے من گھڑت روایات بیان کرنے کا الزام لگایا ہے۔ اور مولانا سید امیر علی نے تعقیب التقریب میں اس کے ضعیف ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔“ - (۶۲)

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ذکر کیا ہے کہ امام بخاریؒ اور دیگر کبار محدثین نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے، اور امام احمد کے فرزند ان گرامی عبد اللہ اور صالح نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ یہ روایات گھڑا کرتا تھا، اور امام نسائیؒ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ (۶۳)

(۶۱) (تعلیق محمد فواد عبد الباقي علی ابن ماجہ ۱/۳۴۴)

(۶۲) (التقریب ص: ۵۷۵ و التحفة ۳/۳۴۲)

(۶۳) (بحوالہ تحفة الاحوذی ۳/۳۴۲)



**دوسری روایت :** ایک دوسری روایت بھی حضرت علیؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے جس میں ہے:

(فَإِنْ أَصْبَحَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ صَائِمًا كَانَ كَصِيَامِ سِتِّينَ سَنَةٍ مَاضِيَةٍ وَسِتِّينَ سَنَةٍ مُقْبِلَةٍ).

”جو آدمی اس دن (پندرہ شعبان) کا روزہ رکھے گا، اسے ساٹھ گزشتہ سالوں اور ساٹھ آئندہ سالوں کے روزوں کا ثواب ملے گا“

یہ روایت امام ابن الجوزی نے جعلی ومن گھڑت حدیثوں پر مشتمل اپنی کتاب ”الموضوعات“ [یعنی جعلی حدیثوں] میں ذکر کی ہے، اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

(مَوْضُوعٌ وَاسْنَادُهُ مُظْلَمٌ)

”یہ موضوع ومن گھڑت روایت ہے اور اس کی سند تاریک و سیاہ ہے“ (۶۳)

لہذا یہ پندرہ شعبان کا روزہ شروع میں ذکر کیے گئے اسباب کی بناء پر رکھا جائے تو جائز و روا ہے، اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو اور محض مذکورہ روایات کو بنیاد بنا کر اس دن کا روزہ رکھا جائے تو ناجائز و ناروا ہے، کیونکہ یہ من گھڑت اور ضعیف روایات قابل استدلال نہیں ہیں۔

## چھٹا طریقہ :

### نصف شعبان کی رات کو قیام :

باقی رہا اس رات کو منانے کا چھٹا طریقہ یعنی رات کو قیام کرنا، ذکر و اذکار میں مشغول ہونا اور ایک مخصوص نماز ادا کرنا، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ رات بہر حال عام راتوں کی نسبت قدرے فضیلت والی ہے، جس کا اندازہ متعلقہ روایات کے مجموعی

(۶۳) (التحفة ۳/۴۴۴ بحوالہ تذکار صحابیات، طالب البہاشمی ص: ۱۲۷)



مفاد سے لگایا جاسکتا ہے، ان احادیث سے اس رات کی فضیلت کا تو اندازہ ہو جاتا ہے مگر ان میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے اس طرف اشارہ ملتا ہو کہ اس رات میں تہوار منایا جائے، شب بیداری کا اہتمام کیا جائے اور مخصوص شکل و صورت اور کمیت و کیفیت کی نمازیں ادا کی جائیں جیسا کہ آج کل رواج ہے۔  
نصف شعبان کی رات والی مخصوص نمازیں:

صلوٰۃ الخیر ..... یا ..... صلوٰۃ الألفیہ

ماہ شعبان کی درمیانی یا پندرھویں رات کو ہی ایک مخصوص نماز پڑھی جاتی ہے، جسے ”صلوٰۃ الخیر“ اور ”صلوٰۃ الألفیہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ (۶۵)  
 اس کے بارے میں کثیر محدثین و مجتہدین علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، چنانچہ شارح صحیح مسلم امام نوویؒ اپنی ایک دوسری کتاب المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

”صلوٰۃ الرغائب کے نام سے معروف نماز جو ماہ رجب کی پہلی جمعرات کی رات کو مغرب اور عشاء کے مابین پڑھی جاتی ہے، جس کی بارہ رکعتیں ہوتی ہیں۔ اور پندرہ شعبان کی رات کو ایک نماز سور کعتوں پر مشتمل پڑھی جاتی ہے، یہ دونوں نمازیں بدترین بدعت ہیں، اور کتاب قوت القلوب اور احیاء علوم الدین میں ان نمازوں کے مذکور ہونے سے دھوکہ نہ کھایا جائے، اور ان نمازوں کے بارے میں بیان کی جانے والی روایت سے بھی فریب میں نہیں آنا چاہیے۔“

کیونکہ یہ سب باطل ہیں، اور اہل علم میں سے ایک صاحب پر ان نمازوں کی حقیقت و شرعی حیثیت مشتبہ ہو گئی، اور انھوں نے چند اوراق پر مشتمل ایک رسالہ بھی لکھ مارا جس میں ان نمازوں کا استحباب ذکر کر دیا، اس رسالہ کے فریب میں بھی نہ آئیں [کیونکہ وہ زَلَّاتُ الْعُلَمَاءِ کی قبیل سے ہے] اُس میں انھوں نے مغالطہ سے کام لیا

(۶۵) (الابداع للشیخ علی المحفوظ ص: ۲۸۹، اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ۲/۶۲۸)



ہے اور امام ابو محمد عبد الرحمن بن اسماعیل المقدسی نے ان کی رد میں ایک نفیس کتاب لکھی ہے جس میں بڑے عمدہ پیرایہ میں ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔ (۶۶)

امام ابو بکر طروش نے اپنی کتاب ”الحوادث و البدع“ میں امام ابو محمد عبد الرحمن مقدسی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

”بیت المقدس میں یہ نماز ”صلوۃ الرغائب“ نہیں پڑھی جاتی تھی جو کہ رجب میں پڑھی جاتی ہے، اور نہ پندرہ شعبان کی رات والی نماز کا رواج تھا۔“

(وَأَوَّلُ مَا حَدَّثْتُ عِنْدَنَا صَلَوةَ شُعْبَانَ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَارْبَعِينَ وَارْبَع مِائَةٍ)

”اور یہ شعبان والی نماز تو ۴۴۸ھ میں ایجاد کی گئی۔“

اور آگے بیت المقدس میں اس نماز کے آغاز کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تائبس سے ایک شخص ابن ابی حمراء بیت المقدس میں آیا جو بڑا خوش الحان قاری تھا، اس نے مسجد اقصیٰ میں یہ نماز پڑھانا شروع کی، پہلے پہل اس کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا، پھر دوسرا تیسرا چوتھا مل گیا اور نماز مکمل کرنے تک ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ مل گئی، اور وہی شخص آئندہ سال بھی آیا تو اس کے ساتھ ایک خلق کثیر نے نماز پڑھی اور اس کا چرچا مسجدوں اور گھروں میں عام ہو گیا، اور پھر یہ سلسلہ ایسا چلا کہ آج تک اسے پابندی سے ادا کیا جا رہا ہے جیسے کہ وہ کوئی مسنون عمل ہو۔“

امام طروش فرماتے ہیں کہ میں نے امام مقدسی سے پوچھا:

”کیا آپ نے لوگوں کو یہ نماز باجماعت ادا کرتے خود دیکھا ہے؟“ تو انھوں نے کہا: ہاں، اور اس پر اللہ سے مغفرت کی بھی دعاء فرمائی اور استغفر اللہ کہا۔“ (۶۷)

(۶۶) (الابداع للشیخ علی محفوظ ص: ۲۸۸) (۶۷) (الابداع للشیخ علی محفوظ ص: ۲۸۸)



ان کا یہ استغفار غالباً اس بناء پر ہوگا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک بدعت کو مروّج دیکھا مگر اسے روک نہ سکا۔

بدعات کا محاسبہ کرنے والے علماء امت میں سے امام شہاب الدین المعروف ابوشامہ نے ماورجب والی ”صلوۃ الرغائب“ اور اس شعبان والی نماز جسے انھوں نے ”الصلوۃ الالفیۃ“ کہا ہے، ان دونوں کی پُر زور تردید کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ بدعت ہیں، اور ان کے بارے میں پائی جانے والی اور بیان کی جانے والی روایات ضعیف اور موضوع و من گھڑت ہیں“ (۶۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

”جامع مسجد، محلوں، راستوں اور بازاروں کی دیگر مساجد میں یہ جو الصلوۃ الالفیۃ کے لئے اکٹھا ہوا جاتا ہے، یہ محدث و بدعت ہے اور یہ اجتماع جو ایک مقررہ وقت، مقررہ رکعات اور مقررہ قراءت والی نفلی نماز کے لئے ہے، یہ غیر مشروع اور بدعت ہے۔ اور اس کا پتہ دینے والی روایت اہل علم حدیث کے اتفاق کے ساتھ من گھڑت ہے“۔ (۶۹)

ابن الجزری نے الحصن الحصین میں مذکورہ روایت کی سند کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے (۷۰)

### وجہ تسمیۃ الصلوۃ الالفیۃ :

الصلوۃ الالفیۃ یا ہزاری نماز کا نام رکھے جانے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اس کی سور کعتیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر رکعت میں دس مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھی جاتی ہے، اس طرح ایک نماز میں ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص کے پڑھے جانے کی وجہ سے اسے ”ہزاری نماز“ کا نام دیا گیا ہے۔ (۷۱)

(۶۸) (الباعث علی انکار البدع و الحوادث لابن شامہ ص: ۳۲-۳۹۵)

(۶۹) (الاقتضاء ۲/۶۲۸ و ۶۳۵) (۷۰) (بحوالہ الابداع ص: ۲۸۸)

(۷۱) (الباعث علی انکار البدع و الحوادث ص: ۳۲)



بدعات کے موضوع پر غالباً سب سے پہلے لکھی جانے والی کتاب ”البدع و النهی عنہا“ میں اُس کے مؤلف امام محمد بن وضاح القرطبیؒ جو کہ تیسری صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، اس پندرہ شعبان کی رات کے بارے میں اپنی سند کے ساتھ دو روایتیں لائے ہیں، جن میں سے پہلی میں وہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے مشائخ و فقہاء نصف شعبان کی رات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیا کرتے تھے اور نہ ایسی باتوں یا نمازوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

اور دوسری روایت میں ابن ابی ملیکہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہیں بتایا گیا کہ زیاد النمری کہتا ہے کہ نصف شعبان کی رات کا ثواب رمضان کی لیلة القدر جتنا ہے، تو ابن ابی ملیکہ نے کہا:

(لَوْ سَمِعْتُ مِنْهُ وَبِيَدِي عَصَا لَضَرَبْتُهُ بِهَا وَكَانَ زِيَادٌ قَاضِيًا)

”اگر میں اُس سے یہ بات سنتا اور اُس وقت میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہوتا تو میں اسے اس سے مارتا، جبکہ یہ زیاد اس وقت قاضی کے عہدے پر فائز تھا“ (۷۲)

حافظ عراقی نے تخریج احیاء علوم الدین میں پندرہ شعبان کی رات والی اس نماز کے بارے میں وارد کی جانے والی روایت کے بارے میں لکھا ہے:

(حَدِيثُ صَلَوةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ حَدِيثٌ بَاطِلٌ)

”نصف شعبان کی رات والی نماز کی حدیث باطل، [یعنی خود گھڑ کر بنی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کی گئی] ہے۔“ (۷۳)

امام شوکانیؒ نے من گھڑت حدیثوں کو اپنی ایک کتاب میں جمع کیا ہے، اُس

(۷۲) (البدع و النهی عنہا ص: ۴۶)

(۷۳) (المغنی عن حمل الاسفاء فی الاسفار علی هامش الاحیاء ۱/۱۸۲، والتحذیر من البدع لابن باز ص: ۱۸)



میں مذکورہ سو رکعت والی نماز پر مشتمل روایت کو انھوں نے جعلی و خود ساختہ قرار دیا۔ اور اس کی متعدد اسناد ذکر کر کے اُن کے راویوں کے مجہول ہونے کی بناء پر انہیں من گھڑت کہا ہے۔ (۷۴)

امام سیوطیؒ نے من گھڑت روایات کے مجموعے پر مشتمل اپنی کتاب میں نصف شعبان کی رات میں پڑھی جانے والی سو رکعتوں والی مسند الفردوس دیلمی کی روایت کو موضوع کہا ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس کی سند کے تمام راوی مجہول ہیں، اور اس کے ساتھ ہی بارہ رکعتوں اور چودہ رکعتوں والی نمازوں پر مشتمل روایات کو بھی موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے۔ (۷۵)

امام ابن رجبؒ نے ذکر کیا ہے کہ تابعین میں سے بعض اہل شام مثلاً خالد بن معدان، مکحول اور لقمان بن عامر وغیرہم رحمہم اللہ اس رات کی عبادت و تعظیم کیا کرتے تھے، اور اہل بصرہ کے بعض عابد و زاہد قسم کے لوگ بھی اُن کے موافق ہو گئے، مگر اکثر علمائے حجاز مثلاً عطاء، ابن ابی ملیکہ اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے بقول فقہاء اہل مدینہ اور اصحاب امام مالک رحمہم اللہ نے اس کا انکار کیا ہے اور اسے بدعت قرار دیا ہے۔ (۷۶)

مذکورہ تابعین خالد و لقمان اس رات باجماعت نفل پڑھا کرتے تھے، عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور سرمہ بھی لگاتے تھے، اور امام اسحاقؒ بن راہویہ نے ان کی موافقت کی ہے، جبکہ امام وعالم اور فقیہ شام امام اوزاعیؒ مساجد میں باجماعت نفل

(۷۴) (الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة ص: ۵۰-۵۱)

(۷۵) (الآلای المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة ۵۸/۲-۵۹ و التحذیر من البدع

لابن باز ص: ۱۳)

(۷۶) (لطائف المعارف ص: ۱۳۲)



پڑھنے، دُعائیں کرنے اور قصے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے، اور اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کچھ نفل و نوافل پڑھ لے تو اسے مکروہ نہیں کہتے تھے، اور حافظ ابن رجب نے اسی کو [اقرب] قرار دیا ہے۔ (۷۷)

یہ تو بعض تابعین و علماء کا اختیار ہے مگر جو کام خود نبی ﷺ نے نہ کیا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہ ہو، اس میں جواز یا استحباب کہاں سے آئے گا؟ اور موقع آنے اور کوئی امر مانع بھی نہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسے نہ کرنے سے کسی فعل کی غیر مشروعیت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

المختصر شعبان کی پندرہویں رات میں پڑھی جانے والی مخصوص عدد کی رکعات اور مخصوص عدد کی سورۃ الاخلاص والی نمازیں کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ باجماعت نہ بلاجماعت، نہ سرانہ جہراً، اور اس رات بعض مخصوص دعائیں (یا ذَا الْمَنِّ... اور... اَللّٰهُمَّ بِالتَّجَلِّيِ الْاَعْظَمِ...) مانگی جاتی ہیں جو کہ خود ساختہ ہیں۔ (۷۸)

اب مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس رات کو کسی خاص طریقے سے منانے کا ثبوت نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی کسی حدیث میں، لیکن آتش بازی و چراغاں جیسے لہو و لعب، حلوے مانڈے کے شغل، دن کے روزے اور رات کی خود ساختہ اور مخصوص کیفیت و کمیت کی جعلی نمازوں سے قطع نظر، انفرادی طور پر کوئی ذکر و دعاء اور مطلق نفلی عبادت کر لیتا ہے تو اسے مطعون اور بُرا بھلا نہ کہا جائے، لیکن اگر وہ ان رسوم کی پابندی کرتے ہوئے ایسا کرے تو پھر یہ بہر حال درست نہ ہوگا، کیونکہ کسی رات کا فضیلت والا ہونا اُس کے اختفال و جشن اور مخصوص عبادتوں کو مستلزم بھی نہیں ہے۔

(۷۷) (التحذیر من البدع ص: ۱۴)

(۷۸) (الابداع ص: ۲۹۰، حاشیہ، مختصر ابن کثیر ۱۹/۴)



## احادیث نصف شعبان (شبِ براءت)

ہم نے پندرہ شعبان کے بارے میں تفصیلات ذکر کر دی ہیں کہ کیا ہونا چاہیے؟ مگر کیا ہو رہا ہے؟ اب ان ایام سے تعلق رکھنے والی صرف ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ ہے: نصف شعبان کے بارے میں پائی جانے والی بعض دیگر احادیث یا روایات شبِ براءت اور ان کی تحقیق، چنانچہ ہم یہاں تفصیلات سے قطع نظر آپ کے سامنے ماہ شعبان سے متعلقہ صرف دس (۱۰) احادیث کی استنادی حیثیت مختصر انداز سے پیش کر رہے ہیں تاکہ ماہ شعبان کے بارے میں یہ موضوع آپ کے سامنے کسی حد تک مکمل شکل میں آجائے۔

**پہلی حدیث:** اُن احادیث میں سے پہلی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے السنۃ ابن ابی عاصم، صحیح ابن حبان، شعب الایمان بیہقی، تاریخ ابن عساکر اور معجم کبیر و اوسط طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے، جس میں ہے:

(يَطْلُعُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لَجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ)  
 ”اللہ تبارک و تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف دیکھتا ہے اور مشرک و کینہ پرور کے سوا سب کو بخش دیتا ہے۔“ (۷۹)

علامہ بیہقی نے مجمع الزوائد میں طبرانی کی روایات کے بارے میں کہا ہے کہ ان دونوں کی اسناد کے راوی ثقہ ہیں۔

علامہ ذہبی نے حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کی سند میں انقطاع واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مکحول، مالک بن یخامر سے ملے ہی نہیں تو اس سے بیان کیسے کر رہے ہیں؟ شیخ البانی کہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کی سند حسن تھی، کیونکہ اس کے



تمام راوی بقول امام منذری ثقہ ہیں۔ (۸۰)

**دوسری حدیث :** اسے حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ابن ابی عاصم، لاکائی اور طبرانی نے بیان کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی احوں بن حکیم ہیں جنہیں مجمع الزوائد میں علامہ پیشی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام منذری نے اسے الترغیب و الترہیب میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت طبرانی اور بیہقی میں مکحول کے واسطے سے ابو ثعلبہ سے مروی ہے، اور بیہقی نے کہا ہے کہ یہ روایت مکحول اور ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے مابین مرسل جید ہے اور مرسل روایت کے حجت ہونے یا نہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

**تیسری حدیث :** یہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے۔ (۸۱)

اس روایت کی سند کو متابعات اور شواہد کے طور پر لینے کے لیے لا بأس بہ قرار دیا گیا ہے کہ ”اس میں کوئی مضائقہ نہیں“۔ جبکہ علامہ پیشی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی (ابن لہیعہ) ہے جو کہ لئین الحدیث ہے اور باقی راوی موثق ہیں جبکہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری نے ابن لہیعہ کو ضعیف کہا ہے، اور امام منذری نے اس کی سند کو لئین و نرم قرار دیا ہے۔ اور متابعات و شواہد کے پیش نظر اسے شیخ البانی نے حسن درجہ کی روایت قرار دیا ہے، اس روایت میں مشرک کے ساتھ کینہ پرور نہیں بلکہ قاتل کا لفظ وارد ہوا ہے۔

**چوتھی حدیث :** یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ (۱۳۹۰) السنہ لابن ابی عاصم و لاکائی میں مذکور ہے، اور اس کی سند میں بھی ابن لہیعہ ضعیف، ولید بن مسلم مدلس اور عبدالرحمن ابن عرزب مجہول الحال ہے، لہذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ (۸۲)

**پانچویں حدیث :** یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، اس کا ایک

(۸۰) (السنہ لابن ابی عاصم ۵۱۲، صحیح ابن حبان ۱۹۸۰، شعب الایمان ۲/۲۸۸)

(۸۱) (تاریخ ابن عساکر ۲/۳۰۲، مجمع الروائد ۶۵/۸، مسند امام احمد: ۶۶۴۲)

(۸۲) (سنن ابن ماجہ ۴۳۵، حدیث ۱۳۹۰)



راوی ہشام بن عبد الرحمن ہے جس کے بارے میں علامہ پیشمی نے کہا ہے کہ اسے میں نہیں جانتا ہوں [کہ کون اور کس درجہ کا ہے؟] جبکہ باقی سب راوی ثقہ ہیں (۸۳)

**چھٹی حدیث:** یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند بزار، التوحید لابن خزیمہ، السنۃ لابن ابی عاصم و لالکائی، اخبار اصبہان ابو نعیم اور بیہقی میں مروی ہے، جسے امام منذری نے الترغیب میں نقل کر کے لکھا ہے: [لا بأس بہ] کہ اس کی سند میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور علامہ پیشمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کر کے اس کی سند میں مذکور ایک راوی عبد الملک بن عبد الملک کے بارے میں کہا ہے کہ ابن ابی حاتم نے اس روایت کو اپنی کتاب الجرح والتعديل میں ذکر کیا ہے مگر اس راوی کو ضعیف نہیں کہا، جبکہ باقی راوی ثقہ ہیں، لیکن امام بخاری نے عبد الملک کی اس روایت کو محمل نظر قرار دیا ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال ذہبی میں مذکور ہے۔

**ساتویں حدیث:** یہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام بزار نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے (۸۴)

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک تو ابن لہیعہ ہے جو کہ لئین بلکہ ضعیف ہے، اور دوسرا راوی عبد الرحمن بن انعم ہے اور اسے بھی علامہ پیشمی کے بقول جمہور آئمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے اور صرف احمد بن صالح نے اس کی توثیق کی ہے، ان دو کے علاوہ باقی سب راوی ثقہ ہیں، اور علامہ البانی کے بقول یہ روایت اور ایسی ہی کئی دیگر روایات لالکائی نے اپنی کتاب السنۃ میں کبار تابعین مثلاً عطاء بن یسار، مکحول اور فضل بن فضالہ رحمہم اللہ سے موقوفاً علیہم نقل کی ہیں جو کہ مختلف الاسانید ہیں، اور ایسے مفہوم کی روایات چاہے موقوف ہی کیوں نہ ہوں، یہ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں کیونکہ ایسی باتیں محض ذاتی رائے کی بناء پر نہیں کہی جاسکتیں۔

(۸۳) (کشف الاستار بزوائد مسند البزار ص: ۲۳۵)

(۸۴) (زوائد مسند بزار ص: ۲۳۵)



**اثقویں حدیث :** یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے، جس میں ہے:

(إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ

الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لَأَكْثَرِ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ بَنِي كَلْبٍ) . (۸۵)

”بے شک اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے

، اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ گناہگاروں کو معاف کرتا ہے“

قبیلہ بنی کلب کا نام اس لیے لیا گیا ہے کہ عربوں میں سب سے زیادہ بکریوں

والا یہی قبیلہ تھا، اور شارح ترمذی نے لکھا ہے:

”ابہری نے الا زہار سے نقل کیا ہے کہ یہاں بنی کلب کی بکریوں کے

بالوں سے زیادہ گناہوں کی بخشش و معافی مراد ہے، نہ کہ اتنے گناہگاروں

کی بخشش، بہر حال گناہگاروں کی بخشش مراد ہو یا گناہوں کی، اللہ کے

خزانوں میں کسی کے لیے بھی کمی نہیں ہے۔“

اسی حدیث کے شروع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ واقعہ بھی بیان کیا

ہے کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کو بستر سے غائب پایا، اور جب آپ ﷺ کو تلاش

کرنے نکلی تو آپ ﷺ کو دیکھا کہ بقیع میں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم اس بات

سے ڈر گئی ہو کہ میں تم پر ظلم کروں گا؟“ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ!

میں تو یہی سمجھ رہی تھی کہ آپ ﷺ شاید کسی دوسری اہلیہ کے ہاں چلے گئے ہیں“

تب نبی کریم ﷺ نے مذکورہ الفاظ بھی فرمائے لیکن اس روایت کے بعد

خود امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ میں نے امام بخاریؒ کو سنا ہے کہ وہ اس روایت کو

ضعیف قرار دیتے ہیں، اور آگے اس کی سند میں پائے جانے والے دو جگہ کے

انقطاع کو بیان کیا ہے کہ حجاج اور یحییٰ، پھر یحییٰ اور عروہ کے مابین انقطاع ہے کہ

(۸۵) (مسند احمد ۶/۲۳۸، ضعیف الجامع ۱: ۶۱، ضعیف الترمذی: ۱۱۹ ص: ۸۶، الصحیحہ



یکجی نے عروہ سے نہیں سنا۔

امام بخاریؒ کا کہنا ہے کہ حجاج نے یکجی سے نہیں سنا، جبکہ اس روایت کی سند کے ایک راوی حجاج بن ارطاةؒ کو بھی محدثین نے مدلس قرار دیا ہے، اور مدلس کی صرف وہ روایت قابل قبول ہوتی ہے جس میں وہ یہ کہے کہ میں نے یہ بات فلاں سے سنی یا اس نے مجھ سے بیان کی ہے، جبکہ اس روایت میں ایسا نہیں بلکہ حجاج نے عنعنہ سے کام لیا ہے جس سے ان کے سماع کی صراحت نہیں ہوتی۔ (۸۶)

اور امام بخاریؒ کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا یقیناً ان ہی اسباب کی بناء پر ہوگا۔

**نویں حدیث:** یہ حضرت علیؓ سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، جس میں پندرہ شعبان کے دن کے روزہ اور رات کے قیام کا ذکر ہے جس کے ضعیف ہونے کی تفصیل ہم نے پندرہ شعبان کے روزے کی عدم مشروعیت کے ضمن میں بیان کر دی ہے۔

**دسویں حدیث:** یہ حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اخنسؓ سے مروی ہے، اسے امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس میں سال بھر کی پیدائش و اموات اور نکاح کا ذکر ہے اور یہ بھی مرسل و ضعیف ہے۔ (۸۷)

ویسے بھی اس میں پندرہ شعبان کی رات نہیں بلکہ مطلق شعبان کے مہینہ کا ذکر ہے جو کہ دیگر تمام روایات کے خلاف ہے۔

الغرض امام ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ اس رات کی فضیلت متعدد روایات میں آئی ہے، جنہیں اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے، لیکن بعض کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے، اور ان میں سے سب سے اہم ترین حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ (۸۸)



(۸۶) (الصحيحه للالباني ۱۳۸/۳)

(۸۷) (ابن کثیر ۱۳۷/۳)

(۸۸) (لطائف المعارف ص: ۱۳۳)



امام ابن تیمیہؒ نے تعدد حدیث کی بناء پر اور امام احمد کی نصوص کے پیش نظر اس رات کی فضیلت مانی ہے۔ (۸۹)

علامہ مبارکپوریؒ نے متعدد احادیث کے پیش نظر کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے۔ (۹۰)

اور دورِ حاضر کے معروف محدث شیخ البانی نے متعدد طرق نقل کیے ہیں اور ان کے مجموع سے حاصل ہونے والی قوت کی بناء پر مذکورہ حدیث نمبر ایک (۱) کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۹۱)

یہ اس رات کی کچھ فضیلت کے ثابت ہونے کی دلیل ہے۔ لہذا سابقہ ساری تفصیل کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص اس رات میں مطلق عبادت [نوافل و تلاوت] کر لیتا ہے، تو کوئی حرج نہیں، جبکہ متعین اور مقررہ اشکال کی کوئی عبادت ثابت نہیں ہے، ویسے بھی کسی رات کا فضیلت والا ہونا کسی خاص عبادت کو مستلزم نہیں ہوا کرتا۔ واللہ الموفق للصواب

## ابو حسان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ، الخبر  
و داعیہ متعاون، مراکز دعوت و ارشاد  
الخبر، الظهران، الدمام  
(سعودی عرب)

(۸۹) (اقتضاء الصراط المستقیم ۲/۶۲۷)

(۹۰) (الصحيحه للالباني ۳/۱۳۵)

(۹۱) (التحفة ۳/۴۳۱)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## حرف سپاس و تشکر

اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ  
جماعة مسجد الامام ابو حنیفہ  
قاعدة الملك عبد العزيز الجوية ، الظهران  
(ظہران ایئر بیس، سعودی عرب)  
نے تعاون کیا ہے

فجزاهم اللہ خیرا فی الدنیا والآخرة

لہذا ہم اسے تجارتی و کاروباری نقطہ نظر سے نہیں  
بلکہ محض دعوتی و تبلیغی انداز سے  
آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

ابو عدنان محمد منیر قمر